أُصُولُ السُّنَّة

امام اهل السنة احمد ابن حنبل رحمہ اللہ

شرح

فضیلۃ الشیخ ربیع بن ہادی المدخلی حفظہ اللہ

ترجمہ

طارق علی بروہی

توحیدِ خالص ڈاٹ کام

www.tawheedekhaalis.com

أصول السنة

امام اهل السنة احمد ابن حنبل رحمہ اللہ

شرح

فضیلۃ الشیخ ربیع بن ہادی المدخلی حفظہ اللہ

ترجمہ

طارق علی بروہی

Cover & Design

@ManzoorWaniJK (Twitter)

توحیدِ خالص ڈاٹ کام

www.tawheedekhaalis.com

© حقوق محفوظ توحید خالص ڈاٹ کام

www.tawheedekhaalis.com

فہرست

مقدمہ	1
أُصول السُّـنّة	
جس چیز پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے اس سے تمسک اختیار کرنا اور ان کی اقتداء کرنا	5
بدعات سے اجتناب اور ان سے خبر دار رہنا	11
سنت کا مقام و مرتبہ اور قرآن مجید سے اس کا تعلق	24
تقدیر پر ایمان لانا خواہ اچھی ہو یا بری	37
دین میں جھگڑے و جدال ترک کرنا	66
قرآن مجید اللہ تعالی کا کلام ہے مخلوق نہیں	69
دارِ آخرت میں رویت باری تعالی ہو گی اس پر ایمان لانا	83
بروز قیامت قائم ہونے والے میزان پر ایمان لانا	94
اللہ تعالی کا بروز قیامت اپنے بندوں سے ہم کلام ہونا	100
حوضِ کوثر پر ایمان لانا اور اس کی صفات	103
عذاب قبر پر ایمان لانا	108
بروز قیامت شفاعت پر ایمان لانا	118
خروجِ دجال	127
نزولِ سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام	132
ایمان قول و عمل کا نام ہے جو بڑھتا گھٹتا ہے	135

جس نے نماز چھوڑی تحقیق کفر کیا	140
اصحابِ رسول اللہ ﷺ	145
حکمرانوں کی اطاعت کرنا	166
جہاد تا قیام قیامت حکمرانوں کی سربراہی میں جاری رہے گا خواہ وہ نیک ہوں یا بد	190
آئمۃ المسلمین (مسلم حکمرانوں) پر خروج کی حرمت	195
چوروں اور خوارج کے خلاف قتال جائز ہے	197
ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے لیے جنت یا جہنم کی گواہی نہیں دیتے	202
اقامتِ حدود کی مشروعیت	211
کسی بھی صحابیٔ رسول ﷺ کی شان میں تنقیص کرنے والے کی تبدیع	216
نفاق کی تفسیر	221
ہم نصوص کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں اگرچہ ہمیں اس کی تفسیر معلوم نہ بھی ہو	225
یہ ایمان لانا کہ بے شک جنت اور جہنم پیدا کر دی گئی ہیں اور اس شخص کا حکم جو ان کا انکار کرے	238
اہل قبلہ میں سے جو بھی فوت ہو جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو	246
خاتمہ	248
سوال وجواب	
ان سلفیوں کو نصیحت جو اہل اہواء کے ساتھ بیٹھتے ہیں	250

کیا فروعی اختلافات کی طرح عقائد میں بھی اختلاف کی گنجائش ہے؟	251
کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی مخالفت کی جاسکتی ہے؟	252
ایسی جگہ جاب کرنا جہاں بدعقیدہ و منہج لوگ ساتھی ہوں	253
تقدیر سے متعلق حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشریح	253
اہل بدعت کے کلام کو نہیں سننے کے تعلق سے سلف کے منہج کو آج کس طرح عمل میں لایا جائے؟	255
کیا واقعی اہل السنۃ والجماعۃ نے کبھی عقیدے میں اختلاف نہیں کیا؟	256
کیا فتنے کے وقت کسی کا مجمل کلام قابل قبول نہیں؟ اور کیا یوں توقف کرنے والا بدعتی کہلائے گا؟	258
مسئلہِ تقدیر کے تعلق سے کچھ اہم کتب	260
اللہ تعالی کی صفت کلام ذاتی ہے یا قولی؟	261
موجودہ دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کلام کرنے والوں کا بعض سلف سے استدلال کرنا	263
نماز کے تارک کی تکفیر کے متعلق راجح قول کیا ہے؟	264
کیا حکمران کے خلاف خروج صرف تلوار تک محدود ہے یا اس میں کلام بھی شامل ہے؟	268
ضعیف روایات سے استدلال کرنے والے بدعتیوں پر رد کیوں، جبکہ بعض علماء بھی ضعیف روایات سے استدلال کرتے ہیں؟	269
کیا فرشتوں کے ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی؟	273

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ،مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهُ.

وَاَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلَهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ.

أَمَّا بَعْدُ:

بلاشبہ وہ اسلامی عقیدہ جسے لے کر تمام رسالتیں آئیں اس کی اسلام میں بڑی عظیم منزلت ہے، کیوں کہ یہ ہی اسلام کی اصل وبنیاد ہے، اور یہی وہ کسوٹی ومعیار ہے جو صحیح دین اور فاسد دین کے درمیان فرق کرتا ہے۔

تو اسی وجہ سے علماء اسلام (علماء اہل السنۃ والجماعۃ) نے اس کا خاص اہتمام فرمایا ہے کہ وہ اس عقیدے کو بیان کرتے ہیں، اس کی شرح ووضاحت کرتے ہیں، اس کی جانب دعوت دیتے ہیں، اس کا دفاع کرتے ہیں اور اسی سلسلے میں تالیفات بھی لکھتے ہیں جن میں بہت سے عقائد ان کی تالیفات میں ذکر ہوتے ہیں۔

اور عقیدے کے باب میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی کتابیں اور تالیفات لکھی گئی ہیں اور ان ہی مؤلفات میں سے ''السنۃ'' کے نام سے جو کتابیں ہوتی ہیں، جیسا کہ ''السنۃ'' امام عبد اللہ

ابن احمد کی اسی سلسلے میں لکھی گئی، اسی طرح ''السنة'' امام خلال کی، اور ''الشریعة'' امام آجری رحمہ اللہ کی، ''شرح أصول اعتقاد أهل السنة'' امام لالکائی کی، امام ابن بطۃ کی ''الابانۃ'' کے نام سے دو کتابیں رحمہم اللہ، اس کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں جن میں عقیدے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ جلیل القدر علماء جانتے تھے کہ عقیدے کی کیا قدر و منزلت اور شان ہے، اور یہ کہ اس میں سے کسی چیز میں، یا اصول میں سے کسی اصل میں جو گمراہ و منحرف ہو تو وہ بہت بڑے خطرے میں ہے، کبھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ انحراف کفر پر مبنی ہو جائے، اور کبھی بدعت اور گمراہی پر، اور کبھی اس کے علاوہ بھی مختلف چیزوں پر مبنی ہو سکتا ہے۔۔۔

تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلاب العلم پر واجب ہے کہ وہ اس عقیدے کے پڑھنے کا اہتمام کریں، اور ان اصول کا جن پر یہ عقیدہ قائم ہے۔

امید ہے آپ لوگ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اپنی صحیح بخاری میں کتاب الایمان، کتاب الاعتصام اور کتاب التوحید لے کر آئے ہیں اور ان کو لانے کا سبب یہی ہے کہ وہ عقیدے اور اصول اسلام کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

اسی طرح سے امام ابو داود رحمہ اللہ بھی اپنی سنن ابی داود کے آخر میں ''کتاب السنۃ'' لے کر آئے ہیں اور یہاں ''السنة'' سے مراد عقیدہ و منہج ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ کو دیکھیں کہ وہ بھی کتاب الایمان اپنی صحیح مسلم میں لا کر ان عقیدے پر مبنی کتابوں کی طرز پر ہی چلیں ہیں اس کی اہمیت کی وجہ سے۔

اور جو مختصر رسائل عقیدے کے بیان میں لکھے گئے ہیں ان ہی میں سے یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے سامنے ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام اہل السنۃ والجماعۃ نے اس کی تالیف فرمائی ہے۔ جو ایک عظیم امام گزرے ہیں جو کہ علم، سنت، ایمان اور زہد وورع کے پہاڑ تھے۔ یہاں تک کہ آپ لوگوں کے لیے ایک معیار وکسوٹی اور ایک امتحان وآزمائش بن گئے جس کے ذریعے سے اہل حق وسنت کی اہل بدعت وضلالت سے تمیز کی جاتی تھی۔

اور ہمارے آج کے اس دن تک آپ کا منہج ایک امتحان بنا ہوا ہے، اور وہ اصول جن پر آپ ڈٹے رہے اور گامزن رہے آج تک لوگوں کے لیے ایک امتحان کی حیثیت رکھتے ہیں، کہ جو اس سے علیحدگی اختیار کرتا ہے تو اللہ کی قسم وہ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے عقیدے و منہج کے ذریعے اس امتحان میں مبتلا کر کے اس کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ایک آزمائش اور ایک امتحان تھے۔ پس جو کوئی آپ کی عزت کے درپے ہو تو یہ بات واقعی اس شخص کی گمراہی، خباثت اور شر پر دلالت کرتی ہے۔ اور جو آپ کی تعظیم اور قدر کرتا ہے تو لوگ پہچان جاتے ہیں کہ یہ شخص اہل سنت میں سے ہو گا۔ کیوں کہ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ بھی جو آئمہ ہیں اہل سنت کے ان کی تعظیم کرنا اور قدر و منزلت کو جاننا اس سنت کی وجہ سے تو ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی یہ جو قدر و منزلت ہے حاصل نہیں کی یا آپ کے علاوہ دوسروں نے بھی جیسے امام الشافعی، امام مالک اور اوزاعی رحمہم اللہ وغیرہ جتنے بھی آئمہ گزرے انہوں نے یہ قدر و منزلت امت میں حاصل نہیں کی مگر اسی وجہ سے کہ انہوں نے سنت کے ساتھ تمسک اختیار کیا، اس کا احترام کیا، اس کی جانت دعوت

دی اور اس کا دفاع کیا۔

پس آپ سنت کی قدر کو جانیں اس کے اہل کو یعنی اہل سنت کو اور ان کی قدر و منزلت کو جانیں۔ ان کے ارشادات پر چلیں اور ان کے نقش قدم کی پیروی کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم وہی لوگ ہدایت پر اور صراط مستقیم پر تھے، اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے نبی ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے پر تھے جن میں سر فہرست خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہیں۔

لہذا آپ پر لازم ہے کہ آپ بھی اس کو مضبوطی سے پکڑیں، اور اس چھوٹے سے کتابچے کی تعلیم حاصل کریں۔ شاید کہ ہم عنقریب کچھ جلدی جلدی سے اس کے مضامین پر سے گزریں گے (یعنی مختصر سی شرح کریں گے زیادہ تفصیلی نہیں) کیوں کہ یہ جو علمی دوروں کا نظام ہوتا ہے اس میں بہت زیادہ تفصیل اور وسعت اختیار نہیں کر سکتے۔ ہمارا اس طور پر اس رسالے کی شرح کرتے ہوئے گزرنا کافی ہو گا ان شاء اللہ اور ساتھ میں بعض ملاحظات بھی بقدر استطاعت ہم پیش کرتے رہیں گے۔

اللہ عزوجل سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں دین کی فقاہت و سمجھ بوجھ عطا فرمائے، اور ہمیں اپنی صراط مستقیم پر ثابت قدمی عطا فرمائے، اور ہمیں اور آپ کو خواہش نفس کی پیروی اور گمراہی کے راستوں سے بچائے، اور ہمیں اس کتاب اور اس کے علاوہ بھی دیگر جو کتب اسلام ہیں خصوصاً عقیدے پر عقیدۂ اہل السنت والجماعت پر اس سے نفع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

أُصُول السُّنّة

جس چیز پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے اس سے تمسک اختیار کرنا اور ان کی اقتداء کرنا

امام اللالکائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمیں علی بن محمد بن عبداللہ السکری نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عثمان بن احمد بن السماک نے بتایا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو محمد الحسن بن عبدالوہاب (بن) ابی العنبر نے اپنی کتاب میں سے قرأت کرتے ہوئے ربیع الاول کے مہینے میں سن 293ھ میں بتایا، اور وہ کہتے ہیں کہ انہیں ابو جعفر محمد بن سلیمان المنقری البصری نے تنیس میں یہ بتایا، وہ کہتے ہیں انہیں عبدوس بن مالک العطار یہ بتایا کہ میں نے سنا ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کہ آپ فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک اصول السنۃ (سنت کے اصول) یہ ہیں:

جس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اس سے تمسک اختیار کرنا۔

ان کی اقتداء کرنا۔

بدعات کو ترک کر دینا۔

اور ہر بدعت ہی گمراہی ہے۔

اصحاب اہوا (خواہش پرست یا بدعتی لوگوں) سے بحث مباحثہ و جھگڑنا ترک کرنا۔

اوران (اہواءپرستوں) کے ساتھ بیٹھنا بھی ترک کر دینا۔

دین میں جھگڑنا، جدال کرنااور (بے جا) بحث مباحثے (مناظروں) کو ترک کرنا[1]۔

---

1 شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر امام اللالکائی رحمہ اللہ اپنی اسناد لے کر آئے ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تک، اور یہ اسناد دوسری اسناد کے ساتھ مل جاتی ہے، یعنی یہ جو امام اللالکائی رحمہ اللہ سند لے کر آئے ہیں وہ ہے جو آپ ان کی کتاب ''شرح أصول اعتقاد أهل السنة'' میں دیکھتے ہیں۔ اسی طریقے سے امام ابن ابی یعلیٰ نے اپنے طبقات میں اسے ذکر کیا ہے۔ پس یہ دو نسخے ہیں اور یہ دو سندیں ہیں مختلف قسم کی جس میں سے ایک دوسری سند کو مضبوطی بخشتی ہے، اور اس رسالے کی نسبت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام اہل السنۃ کی طرف ہونے کی مزید تاکید کرتی ہے۔ اسی طرح شیخ البانی رحمہ اللہ کو بھی ایک مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ کے مجموع میں ملا ہے اور انہوں نے پھر اسے اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اور میرے خیال سے اس نسخے کا بھی ایک یقیناً دوسرا طریق ہوگا (یعنی دوسری سند سے وہ روایت ہوگا) واللہ اعلم۔ اس کی اسانید کو بھی دیکھا جانا چاہیے اور مقارنہ کرنا چاہیے، اور ہم یہ کریں گے ان شاءاللہ اگر ہمیں اس کی فرصت ملی۔

[جس نسخے کی تحقیق شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اس کی سند یہ ہے: قال شيخ الإمام أبو المظفر عبدالملك بن علي ابن محمد الهمداني: حدثنا الشيخ أبو عبدالله يحيي بن أبي الحسن بن البنا قال: أخبرنا والدي أبو علي الحسن بن أحمد بن البنا قال: أخبرنا أبو الحسين علي بن محمد بن عبدالله بن بشران المعدَّل قال: أخبرنا عثمان بن أحمد بن

السّماك قال: حدثنا أبو محمد الحسن بن عبدالوهاب بن أبي العنبر قراءة عليه من كتابه في شهر ربيع الأول من سنة ثلاث وتسعين ومائتين (293ث) قال: حدثنا أبو جعفر محمد بن سليمان المنقري البصري – ب(تِنِّيس) – قال: حدثني عبدوس بن مالك العطار قال: سمعت أبا عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل رضی اللہ عنہ يقول)]

تو یہاں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تک سند پہنچانے کے بعد فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک اصول سنت یہ ہیں کہ اس چیز سے تمسک اختیار کیا جائے جس پر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے"۔

جس چیز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے وہ ایک معیار ہے ایک کسوٹی ہے ان لوگوں کے لیے جو حق پر قائم ہیں اور وہ اس اصول کے ساتھ تمسک اختیار کرتے ہیں یعنی: جس پر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے صحابہ کرام وخلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین شد وہدایت کے سوا کسی چیز پر نہیں تھے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر اپنے عقائد میں، اپنی عبادات ومعاملات غرض زندگی کے تمام شعبوں میں اور خصوصاً عقیدے میں۔ پس امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس عظیم اصل کی جانب اشارہ کیا ہے اور یہ اتنا وسیع وعریض قاعدہ ہے کہ جس سے میں اسلام کے اندر جو بھی چیزیں ہیں باہر نہیں نکلتیں (یعنی سب اس کے اندر شامل ہیں) خصوصاً عقیدہ۔

توفرمایاکہ:

''ہمارے نزدیک اصول سنت یہ ہیں کہ اس چیز سے تمسک اختیار کیا جائے جس پر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے''۔

برخلاف اہل بدعت کے کیوں کہ وہ تو محض اپنی اہوا (خواہش نفس) کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی فاسد عقلوں پر ہی اعتماد کرتے ہیں، یا اپنے زعم میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم لغت عرب پر یا اس کے علاوہ دیگر فاسد قیاسات پر اعتماد کرتے ہیں۔

جب کہ امام احمد رحمہ اللہ اور آپ سے جو پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور آئمہ اسلام گزرے ہیں ان کے نزدیک دین اس چیز کا نام ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہے خصوصاً عقیدے کے باب میں، تو وہ اس سے ان شاء اللہ کبھی باہر نہیں نکلتے اور اسی میں صراط مستقیم اور ہدایت ہے۔

آگے فرمایا:

''ہم ان کی اقتداء کرتے ہیں''

یعنی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں کیوں کہ وہ ہمارے لیے قدوۃ ہیں، وہ ہمارے لیے نمونہ ہیں اور اسوۃ ہیں، اور اس حدیث کی جانب اشارہ فرماتے ہیں کہ:

''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ''

(تمہیں میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا چاہیے، اسے اپنے جبڑے کے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو، اور دین میں نئے نئے کاموں سے بچو)۔

[رواه أحمد في "المسند" حديث العرباض بن سارية، حديث رقم (170179). والترمذي: كتاب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتباه البدع، حديث رقم (2676) وقال: حسن صحيح. وأبو داود كتاب السنة – باب في لزوم السنة، حديث رقم (4607). وابن ماجه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، حديث رقم (44،42)]

اسی طرح سے جو حدیث ہے فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والے فرقے) والی کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ خبر دی:

''إِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ إِلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً، قالوا، من هي؟ قال: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي''

(بلاشبہ یہ امت بھی عنقریب تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، وہ سب کے سب آگ میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ انہوں نے پوچھا: وہ ایک کون ہوگا؟ فرمایا: جس پر میں ہوں اور میرے

صحابہ کرام ہیں)۔

[رواه الترمذي، كتاب الإيمان – باب ماجاء فى افتراق هذه الأمة، حديث رقم (26419)، وقال: حديث مفسَّر حسن غريب لانعرفه مثل هذا إلا من هذا الوجه.]

اور ایک دوسری حدیث میں یہ بھی فرمایا:

''تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا إِلَّا هَالِكٌ''
(میں نے تمہیں (دین کی) ایسی روشن راہ پر چھوڑا ہے کہ جس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے، اس سے گمراہ نہیں ہوتا مگر وہ شخص جو ہلاک ہونے والا ہو)۔

[رواه أحمد فى "المسند" حديث العرباض بن سارية، حديث رقم (170179). وابن ماجه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، حديث رقم (43)]

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس سے تمسک اختیار کیا اور ہم نے ان شاء اللہ ان میں سے کسی کو بھی ہلاکت میں پڑنے والا نہیں پایا حالانکہ ان کے بعد کے جو لوگ ہیں ان کے دل ٹیڑھے ہو گئے تھے، یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آخری دور میں، اسی طرح سے عہد تابعین کے وسط میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے۔

اس کے بعد پھر بدعات منتشر ہو گئیں، پس خوارج اور غالی روافض کا فرقہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے

آخر میں ظاہر ہوا، چنانچہ ان کی جانب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مناظرے کے لیے بھیجا، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کی قوی حجتوں کی بنیاد پر واپس آ گئے۔ (لیکن بعض اسی گمراہی پر اڑے رہے) اور مسلمانوں پر انہوں نے تلوار اٹھائی تو آپ (یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نے ان کے خلاف قتال فرمایا جس کا حکم خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیا تھا، اور جو بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان کے دور میں موجود تھے ان سب کا اس بارے میں اجماع تھا، کسی نے بھی ان کی اس میں مخالفت نہیں کی اور کوئی دو رائے اس بارے میں نہیں ہوئی۔

شاہد اس میں یہ ہے کہ بلاشبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتداء میں ہی نجات ہے، اور یہ ہی سفینۂ نجات ہے، کیوں کہ بلاشبہ انہوں نے وحی کو نازل ہوتے ہوئے دیکھا، اور قرآن و سنت کے فقہ و فہم کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا، لہذا یہ ہمارے لیے قدوۃ و نمونہ ہیں۔ اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي'' اور فرمایا: ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ''۔

بدعات سے اجتناب اور ان سے خبردار رہنا

یہ بھی اصول سنت میں سے ہے کہ:

''بدعات کو چھوڑنا''

ان سے اجتناب کرنا کیوں کہ بدعات میں ہلاکت ہے، اور یہ جو فرقے بدعات میں مبتلا ہو جاتے ہیں انہیں رسول اکرم ﷺ نے وعید سنائی ہے کہ یہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے، کیوں کہ انہوں نے شیاطین کے راستوں کو اپنالیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ، ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام: 153)

(بلاشبہ یہ میری سیدھی راہ ہے اسی کی پیروی کرو، اس کے علاوہ دیگر راہوں کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمہیں اس (اللہ) کی راہ سے جدا کر دیں گی، اسی کی تمہیں وصیت کی جاتی ہے تاکہ تم بچ جاؤ)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی زمین پر اور فرمایا کہ:

"هَذَا صِرَاطُ اللهِ، ثم خط عن يمينه وعن شماله خطوطاً، وقال: هَذِهِ سُبُلٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ"

(یہ اللہ تعالیٰ کی صراط (راہ) ہے، پھر اس کے دائیں بائیں کچھ اور لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ مختلف راہیں ہیں اور ہر راہ پر ایک شیطان بیٹھا اپنی طرف بلا رہا ہے)۔

[رواه أحمد في "مسنده" مسند ابن مسعود، حديث رقم (2697)]

چنانچہ جس نے بھی صراط مستقیم کو چھوڑا اپنے عقیدے میں، اپنی عبادات میں یا اپنی فقہ میں یا

اس طریقے کی جتنی بھی چیزیں ہیں ان میں تو وہ ان طریقوں میں سے کسی طریقے کی پیروی کرنا شروع کر دے گا لازماً جس راہ پر شیطان بیٹھا اس کی طرف بلا رہا ہے۔

چنانچہ ان بدعات سے اور گمراہیوں سے شدید طریقے سے دور رہیں! اور خود نبی رحمت ﷺ نے بھی اس سے ہمیشہ خبردار فرمایا ہے اور ڈرایا ہے:

"مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"

(جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود (ناقابل قبول) ہے)۔

[رواه البخاري: كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، برقم (2697). ومسلم: كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور، برقم (1718)]

اسی طرح نبی رحمت ﷺ نے اہل بدعت سے بھی ڈرایا ہے آپ ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان تلاوت فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران: 7)

(وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جس میں آیات محکمات بھی ہیں اور یہی اُم الکتاب (کتاب کی اصل) ہے، البتہ اس کے علاوہ متشابہات بھی ہیں، پس جن کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہوتا ہے تو وہ اس میں سے جو متشابہ ہے اسی کے پیچھے پڑتے ہیں، فتنہ مچانے کو اور اس کی تاویل کے پیچھے پڑنے کو، حالانکہ اس کی (حقیقی) تاویل نہیں جانتا مگر صرف اللہ تعالیٰ)

اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"فَإِذَا رَأَيْتُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ، فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللهُ فَاحْذَرُوهُمْ"

(جب تم دیکھو ایسے لوگوں کو جو اس میں سے متشابہات کی پیروی کر رہے ہیں تو ان کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتادیا ہے کہ ان سے بچو)۔

[رواه البخاري: كتاب التفسير – باب ﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾، برقم (4547). ومسلم: كتاب العلم – باب النهي عن اتباع متشابه القرآن والتحذير منه، حديث رقم (2665)]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ وضاحت کر دی کہ جن کے دلوں میں زیغ (ٹیڑھ پن و کجی) ہوتی ہے ان کا ارادہ فتنہ مچانے کا ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ:

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ﴾

(پس جن کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہوتا ہے تو وہ اس میں سے جو متشابہ ہے اسی کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ مچانے کو)

آپ کسی بھی بدعتی کو نہیں پائیں گے مگر ضرور وہ متشابہات کی پیروی کر رہا ہو گا اللہ تعالیٰ کے کلام سے، یا رسول اللہ ﷺ کے کلام سے، یا علماء اسلام کے کلام سے تاکہ اس بارے میں وہ لوگوں کو گمراہ کرے اس قسم کے شبہات ڈال کر جن کی وہ خود ٹھوہ میں رہتا ہے اور پیروی کرتا ہے، اور یہ بالکل امر واقع و کھلی حقیقت ہے قدیم دور میں بھی اور آج کے دور میں بھی۔ لہذا آپ کسی بھی منہج اہل السنۃ والجماعۃ سے منحرف شخص کو نہیں دیکھیں گے مگر اسی حال میں کہ وہ ان شبہات کی پیروی کر رہا ہو گا، تاکہ اس کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں میں فتنے ڈال سکے جو کہ شدید افسوس کی بات ہے!

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمیں اور آپ کو اس کی کتاب سے تمسک اختیار کرنے کی توفیق دے اور ہر قسم کی بدعات، شبہات اور شہوات سے محفوظ فرمائے کیوں کہ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جتنی بھی بدعات ہیں وہ سب گمراہی ہیں"۔

اور یہ جملہ آپ نے اس حدیث سے اخذ کیا ہے:

"إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

(تم لوگوں کو دین میں نئی نئی باتوں سے بچنا چاہیے کیوں کہ بلاشبہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

شیخ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعت چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو وہ گمراہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، جس نے اس کے علاوہ کوئی بات کی تو اس نے اس واضح اور جلی نص (دلیل) کی مخالفت کی، اور اس قاعدۂ کلیہ کی مخالفت کی جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے، اور آپ ﷺ اپنے زیادہ تر خطبات میں یا پھر تمام خطبات میں یہ فرمایا کرتے تھے:

"أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كَلَامُ اللهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

(سب سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور سب سے بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے، اور سب سے بدترین کام (دین میں) نئے نکالے گئے کام ہیں، اور ہر نیا کام (دین میں) بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

[رواه مسلم: كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث رقم (867)]

یہ حدیث صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اور یہ نبی کریم ﷺ کا وہ خطبہ ہوا کرتا تھا جسے ارشاد فرماتے ہوئے آپ ﷺ کا غصہ بڑھ جاتا، آواز بلند ہو جاتی اور چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا گویا کہ آپ کسی آنے والی فوج سے قوم کو ڈرانے والے ہیں جو کہتے ہیں کہ

''صبحكم أو مساكم''۔امت پر بدعت کے خطرے اور اس کی شدت کہ وجہ سے یہ انداز اختیار فرماتے تھے۔ اور یہ سب کی سب گمراہی ہیں، جس نے یہ کہا کہ بدعة حسنة (اچھی بدعت) بھی ہوتی ہے اور بدعة سيئة (بری بدعت) بھی ہوتی ہے تو یہ اس قاعدۂ کلیہ کے مخالف اور متصادم ہے، جو قاعدہ ایسی ہستی نے بیان فرمایا ہے کہ جن کی شان ہے ''لا ينطق عن الهوى'' (وہ اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتے) (بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے بات کرتے ہیں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ) اور یہ انتہائی شدید افسوس کی بات ہے کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو بدعت کو بہت ساری اقسام میں تقسیم کرتے ہیں کہ واجبات، مستحبات، مکروہات اور محرمات یعنی جو احکام خمسہ ہیں وہ سب اس کے بارے میں بھی لاگو کرتے ہیں، اور یہ غلط ہے، کیوں کہ کسی چیز کا وجوب بغیر کسی دلیل کے ثابت نہیں ہوتا اور اگر ایسی دلیل سے ثابت ہو جائے جو ان کے کہنے کے مطابق اس بدعت کی موجب ہے تو پھر یہ بدعت ہی نہیں، اور اگر ایسی دلیل سے ثابت کریں جس سے وہ مستحب ہونا ثابت ہو تو پھر وہ بھی بدعت نہیں ہے یہ تو سنت ہوئی۔ چنانچہ یہ تقسیم ہی بالکل غلط ہے یعنی اس تقسیم میں بالکل کھلی اور واضح غلطی پائی جاتی ہے۔

آگے فرماتے ہیں اصول سنت میں سے یہ بھی ہے کہ:

''اصحاب اہواء کے ساتھ بحث و مباحثہ، مجادلہ اور جھگڑا اور ان کے ساتھ بیٹھنے کو ترک کرنا''

یعنی کثرت سے جدال نہ کریں اور ان سے جھگڑنے کی بحث و مباحثے کی ضرورت بھی نہیں ہے

سوائے اس موقع پر جب آپ دیکھیں کہ اس کا اسے کوئی فائدہ ہو رہا ہو جو آپ سے طلب کر رہا ہے۔ مثلاً کوئی انسان ہے جو چاہتا ہے کہ آپ سے مناقشہ کرے تاکہ حق تک پہنچ سکے اور آپ کو اس کے بارے میں یقین ہے تو پھر اس میں پیش قدمی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (النحل:125)

(اور ان سے جدال کریں اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو)

لیکن کوئی انسان جو صرف مغالطہ چاہتا ہو، فضول لڑائی جھگڑا کر کے بس آپ پر غالب آنا چاہتا ہو تو ایسے سے مجادلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہی وہ جھگڑا ہے جو مذموم ہے اور اسی کو دین میں مذموم جھگڑا کرنا کہا جاتا ہے۔

تو اس قسم کا لڑائی جھگڑا نہ کریں، بارک اللہ فیکم۔ حکیم وہ شخص ہے جو تمام چیزوں کو ان کی اپنی جگہوں پر رکھتا ہے، چنانچہ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو شخص ضرورت مند ہے اس بات کا کہ اس سے شبہ کو دور کیا جائے تو اس کے سامنے اخذ ورد (وضاحت کریں اور اس کی بات بھی سنیں اور وہ جو جواب دے اس کے استدلال کا جواب دیں) اس احسن طریقے سے بحث و مباحثہ حکمت کے ساتھ اور اچھے کلام کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، نہ کہ صرف اس نیت سے کہ اس پر غلبہ حاصل کر لیا جائے یا کسی کو ہرانا و شکست دینا مقصد ہو، لیکن (یہ نیت ہونی چاہیے کہ) ہم حق بیان کریں گے، وضاحت کریں گے اور جو رہنمائی کا محتاج ہے اس کی رہنمائی کریں گے۔

آگے فرمایا:

''اور اصحاب اہواء کے ساتھ بیٹھنا''

یعنی ان کے ساتھ بیٹھنے کو ترک کرنا، کیوں کہ اصحاب اہواء کے پاس اگر آپ بیٹھیں گے تو یہ غالباً دل میں ٹیڑھ پن و کجی پیدا کرتا ہے۔

اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اپنے پاس پائے جانے والی معرفت اور اپنی عقل مندی کے دھوکے میں آکر اہل بدعت کے ساتھ میل ملاپ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کے نفسوں کے سپرد کر دیا، چنانچہ آخر کار وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے اور یہ ایسی حقیقت ہے جسے آپ بخوبی محسوس سکتے ہیں۔

اسی چیز کی جانب امام ابن بطہ رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کیا کہ:

''ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں کہ جو بدعتیوں کو سب و شتم اور لعنت کرتے تھے، پھر انہوں نے ان کے ساتھ بیٹھنا اور میل ملاپ شروع کر دیا تو پھر آگے چل کر انہی میں سے ہو گئے''۔

[دیکھیں الإبانة الكبرى (470/2)]

چنانچہ ہر زمان و مکان میں یہ بات دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہے کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو بڑے قد آور شخصیات تھے اور اپنے نفس کے دھوکے میں آگئے، تو افسوس کہ وہ بدعت کے

اس گڑھے میں گر گئے۔ ہم نہیں چاہتے ہیں کہ ان کے نام لیں کیونکہ اس قسم کے لوگ ویسے ہی طلاب العلم کے ہاں معروف ہیں۔

فرمایا:

''اصحاب اہواء کے ساتھ (نہ) بیٹھنا''

اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے کہ:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾ (الانعام:68)

(جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں تو پھر ان سے کنارہ کشی اختیار کریں یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگیں)

[اور یہ بھی فرمان الٰہی ہے کہ:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۚ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا﴾ (النساء:140)

(اور بلاشبہ اس نے تم پر کتاب میں نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنو کہ ان

کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ بے شک (اگر تم ساتھ بیٹھے رہے تو) تم بھی اس وقت ان جیسے ہو، بے شک اللہ تعالی منافقوں اور کافروں، سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے)]

ایسوں کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے کیوں کہ یہ اللہ تعالی کی کتاب کے تعلق سے جھگڑتے ہیں ،اور اللہ تعالی کے ذمہ بلا علم کے بات کرتے ہیں۔ چنانچہ جو بدعت ہے وہ اللہ تعالی کے دین اور کتاب اللہ کے تعلق سے جھگڑنے پر ہی قائم ہے، اور اس بات پر کہ اس باطل کو اللہ تعالی کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے۔ لہذا ایسے لوگوں سے مفارقت و کنارہ کشی واجب ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے پڑھا کہ :

”فَإِذَا رَأَيْتُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ، فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللهُ فَاحْذَرُوهُمْ“

(جب تم دیکھو ایسے لوگوں کو جو اس میں سے متشابہات کی پیروی کر رہے ہیں تو ان کا نام لے کر اللہ تعالی نے تمہیں بتا دیا ہے کہ ان سے بچو)۔

اور فرمایا:

”يَكُونُ أُنَاسٌ فِي أُمَّتِي يَأْتُونَكُمْ بِمَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ“

(میری امت میں سے ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے کہ جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا، تو تمہیں چاہیے کہ ایسے لوگوں سے بہت دور اور پرے رہو)۔

[رواه مسلم: المقدمة، باب عن الرواية عن الضعفاء والاحتياط في تحملها، حديث رقم (6) من حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ]

تو یہ بھی ان نصوص میں سے ہیں جو اہل بدعت کی بیٹھک اختیار کرنے سے ڈرانے کے بارے میں ہیں۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو جاہل ہیں اور فریب خوردہ ہیں اور آپ کے پاس علم ہے، آپ کے پاس حجت اور برہان ہے تو آپ ضرور انہیں حق کی جانب دعوت دیں اور ان کے سامنے وضاحت کریں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن آپ ان کے ساتھ بیٹھیں اس لیے کہ دین میں مداہنت اپنائیں، اور یاری دوستیاں لگائیں، اور ان کے ساتھ اور محبت کریں اور باقاعدہ میل ملاپ ہو یا اس جیسی باتیں ہوں تو یہ بڑی غلطی ہے جو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ پس ایک عقل مند انسان پر یہ واجب ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور بچے۔ اور اس سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی خبردار فرمایا ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

[اور ان کا یہ قول موجود ہے: ''اہل اہواء کے ساتھ نہ بیٹھو کیوں کہ ان کی مجلس دلوں کی بیماری کا سبب ہے''۔أخرجه الآجري في "الشريعة" (452/1، برقم 133)، وعنه ابن بطة

في "الإبانة الكبرى" (438/2 برقم 371)]

اور بعض آئمہ تابعین سے جیسا کہ امام ایوب السختیانی اور امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہم سے۔

[سلام ابن ابی مطیع کہتے ہیں کہ اہل اہواء میں سے ایک شخص نے امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ سے کہا کہ: ''اے ابو بکر میں آپ سے ایک کلمہ کے بارے میں پوچھتا ہوں، چنانچہ ایوب رحمہ اللہ پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور اپنی انگلی سے اشارہ کر رہے تھے کہ میں تم سے نصف کلمہ تک نہیں سننا چاہتا''۔ روىٰ الدارمي فى "السنن" برقم (412)، واللالكائي فى "شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة" (143/1 برقم 291) والفريابي في "القدر" برقم (374) وعنه الآجري فى "الشريعة" برقم (117) وابن بطة فى "الإبانة الكبرى" (447/2 برقم 402).

ہشام فرماتے ہیں کہ امام الحسن البصری اور ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: ''اصحاب اہواء کے ساتھ نہ بیٹھو، نہ ان سے مجادلہ کرو اور نہ ان سے کچھ سننے کی ضرورت ہے''۔ أخرجه الدارمي فى "السنن" (121/1، برقم 401)، وابن سعد فى "الطبقات الكبرى" (172/7) وابن بطة فى "الإبانة" (464/2، 444) برقم (457،395)]

چنانچہ ان میں سے ہر کوئی اہل بدعت سے کچھ نہیں سنا کرتا تھا اگرچہ وہ ان کے سامنے حدیث پڑھنے کی پیشکش کرتا ہے یا آیت تو کہتے کہ: نہیں ہم نہیں سننا چاہتے، جب ان سے کہا جاتا کہ:

سنت کا مقام و مرتبہ اور قرآن مجید سے اس کا تعلق

سنت ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آثار ہیں۔

اور سنت قرآن کریم کی تفسیر کرتی ہے اور یہ (سنت) قرآن کریم کے دلائل ہیں۔

سنت میں قیاس نہیں، اور اس کے لئے مثالیں بھی بیان نہیں کرنا، اور اسے عقل یا اہواء وخواہشات سے نہیں پایا جاسکتا بلکہ یہ (سنت) تو صرف اور صرف اتباع اور ہوائے نفس کو

کیوں؟ تو یہ کہا کرتے تھے کہ:

''میرا دل میرے ہاتھوں میں نہیں ہے اور مجھے یہ خوف ہے کہ وہ میرے دل میں فتنہ ڈال دے گا، پھر میں اس سے جان نہیں چھڑا سکوں''۔

[اسی جیسی بات امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہے۔ أخرجه ابن سعد فی "الطبقات الكبرى" (197/8)، والدارمي فی "السنن" (120/1) برقم (397)، والفريابي في "القدر" (249) برقم (373) وعنه الآجري فی "الشريعة" (440/1) برقم (121) وابن بطة فی "الإبانة" (445/2) برقم (398) واللالكائی فی "شرح الاعتقاد" (133/1) برقم (242)]

چنانچہ سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں، کبھی بھی انسان اپنے آپ کو خود فتنوں کی نظر نہ کرے، خصوصاً اس وقت جب انسان اپنے نفس میں ضعف اور کمزوری بھی پاتا ہے۔

ترک کرنے کا نام ہے[2]۔

---

2 شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ہمارے نزدیک سنت آثارِ رسول اللہ ﷺ ہیں''۔

سنت کیا ہے ؟ فرمایا: آثارِ رسول اللہ ﷺ یعنی آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات (یعنی آپ ﷺ کے سامنے جو عمل کیا گیا آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی یعنی اقرار فرمایا)۔ ہمارے پاس کتاب ہے اور ہمارے پاس سنت ہے یہی دو چیزیں ہیں کہ جن کی پیروی کرنا اور ان کو مضبوطی سے پکڑنا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم پر فرض قرار دیا ہے۔

آپ نے سنت کی قدر و منزلت اور اس کا قرآن کریم سے جو تعلق ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''سنت قرآن کی تفسیر کرتی ہے اور یہ قرآن کے دلائل ہیں''۔

چنانچہ سنت قرآن کریم کی وضاحت کرتی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:44)

(اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر نازل فرمایا تاکہ آپ کھول کھول کر وضاحت کے ساتھ لوگوں کو بتادیں جو کچھ ان کی جانب نازل کیا گیا ہے)

اور فرمایا:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء:59)

(اگر تم کسی چیز میں تنازع واختلاف کرو تو اسے پھیر دو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف)

اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرنے کا مطلب ہے اس کی کتاب کی جانب، اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پھیرنے کا مطلب ہے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کی طرف پھیرنا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی سنت کی طرف پھیرنا۔ تو یہ لوگوں کے لیے ایسا مرجع ہے کہ جس کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔ یہ (سنت) اور قرآن اس حد تک برابر ہیں، پس یہ حجت پکڑے جانے کے اعتبار سے چاہے وہ عقائد ہوں، احکام ہوں، حلال و حرام ہوں یا دین کے جتنے بھی شعبے ہیں میں قرآن کریم کی طرح مرجع ومصدر ہے۔ اسی لیے سلف صالحین میں سے جب کسی سے سوال کیا جاتا چاہے عقیدے کے متعلق ہو یا اس کے علاوہ کسی بھی چیز کے متعلق تو وہ اس کا جواب اس نص (دلیل) کے مطابق دیتے جو اس وقت فوراً ان کے ذہن میں آتی چاہے وہ قرآن کی آیت ہوتی یا حدیث نبوی ﷺ، وہ اس میں کوئی فرق نہیں برتا کرتے تھے۔ اور اس کی مثالیں بھی آگے آئیں گی کہ کیا موقف تھا سیدنا ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب اور ابن عمر اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسی تعلق سے۔

فرمایا:

"یہ (سنت) قرآن کریم کے دلائل ہیں"۔

یعنی اس (قرآن) کی مجمل باتوں کا بیان ووضاحت (سنتیں) کرتی ہیں، ان کی مجمل باتوں کی تفصیل کرتی ہیں، اس کی مبہم باتوں کی وضاحت کرتی ہیں، اور اس کی مطلق باتوں کو مقید کرتی ہیں، اور عام احکام کی تخصیص کرتی ہیں، اور ہمارے لیے نماز کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے: اس کے اوقات، اس کی تعداد، اس کی تفصیل، اس میں ہم کیا کچھ پڑھیں، رکوع میں کیا کہیں، سجدے میں کیا کہیں، یہ تمام چیزیں سنت سے ثابت ہوتی ہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (البقرۃ: 43)

(اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو)

اور کثرت کے ساتھ یہ حکم آئے ہیں، تو سنت اس کی وضاحت کرتی ہے اور اس کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ پس یہ دلائل ہیں، بینات ہیں، وضاحتیں ہیں قرآن کریم کی مجمل باتوں کی، اور اس کی جو عام باتیں ہیں اس کی تخصیص کرنے والی ہیں، اور جو مطلق باتیں ہیں اس کو مقید کرنے والی ہیں۔ چناچہ:

"یہ (سنتیں) قرآن کی تفسیر کرتی ہیں"۔

جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا۔

''اور یہ قرآن مجید کے دلائل ہیں''۔

یہ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہی فرمایا۔

آگے فرمایا کہ:

''سنت میں قیاس نہیں ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے دین میں قیاس نہیں ہے۔(جیسا کہ کہا جاتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ کی نہر آئے تو پھر عقل کی نہر بند ہو جاتی ہے یعنی جب نص (دلیل/وحی) آجائے تو پھر کوئی قیاس نہیں۔ عقل کے ذریعے یا قیاس کے ذریعے اس سے ٹکراؤ پیدا نہیں کیا جائے گا، نہ ہی اپنی رائے سے اور نہ ہی کسی اور چیز سے۔ ہمارے لیے سوائے سر تسلیم خم کرنے کے کوئی چارہ نہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:65)

(نہیں ہر گز نہیں آپ کے ربّ کی قسم یہ لوگ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو حاکم (فیصلہ کرنے والا) ہر اس چیز میں نہ بنا دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، پھر جو کچھ فیصلہ آپ کر لیں اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں، بلکہ مکمل طریقے سے سر تسلیم خم کر دیں)

بعض لوگوں نے قیاس کے معاملے میں اتنا غلو کیا کہ اس کے ذریعے سے نصوص تک کو ٹھکرانے لگے رد کرنے لگے اور یوں کہتے ہیں کہ یہ جو نص ہے وہ ہمارے اصول کے خلاف ہے، یا یہ جو نص ہے یہ قیاس کے خلاف ہے!

امام احمد رحمہ اللہ اسی قسم کے لوگوں پر رد کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں، ورنہ تو قیاس اولیٰ موجود ہے لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے اس طور پر موجود ہے کہ جب انسان کو کچھ نہ ملے تو مردار جائز ہوتا ہے یعنی اشد مجبوری کی حالت میں۔ بلکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے کتابچے میں جس کا نام ہے "معارج الوصول إلى بيان أن أصول الدين وفروعه قد بينها الرسول" (اس بات کا بیان کہ دین کے جو اصول اور فروع ہیں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کر ہی دیا ہے) تو اس کے اندر شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"ہمیں استقراء (یعنی غور و فکر و تحقیق) کرنے سے معلوم چلتا ہے کہ کوئی بھی ایسا اجماع نہیں ہے مگر ہمیں اس کی نص ڈھونڈنے پر مل ہی گئی"۔

[دیکھیں مجموع الفتاوی (195/19)]

اسی طرح سے کوئی بھی گروہ جو صحیح قیاس کرتا ہے تو اس قیاس کے ہم معنی نص بھی آخر کار مل ہی جاتا ہے، لیکن لوگوں کے درجات مختلف ہوتے ہیں تمام نصوص کو جمع کر دینے یا اس کے قریب قریب پہنچ جانے کے۔ بہت کم ہی لوگ ہیں جنہوں نے تمام نصوص کو اس طریقے سے جمع کر لیا اور ان پر مطلع ہوئے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا یا تمام کو جمع کرنے کے

قریب قریب تک پہنچ گئے ہوں۔اسی لیے آپ بہت سارے علماء کے پاس صحیح قیاسات دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کی صحیح قیاس کی جانب، لیکن اگر تھوڑی سی محنت کر کے وہ سنت کی پڑھائی اور تلاش میں مزید وسعت اختیار کرتے تو انہیں ضرور شارع کی جانب سے بھی نص مل ہی جاتی۔ کیوں کہ رسول اکرم ﷺ نے اصول اور فروع سب بیان فرمادیے ہیں اس طور پر کہ کسی چیز کو چھوڑا نہیں ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام:38)

(ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز چھوڑی نہیں ہے(ہر چیز کا بیان کر دیا گیا ہے))

اور یہ بھی فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾(المائدۃ:3)

(آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے،اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے،اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین مقرر کر کے راضی ہو گیا ہوں)

پس ہمارا یہ دین کامل ہے اس میں کوئی نقص نہیں۔ چناچہ بعض لوگ اجتہاد کرتے ہیں اور قیاس کرتے ہیں اور ان کا قیاس صحیح ہوتا ہے لیکن اس بارے میں اگر دیکھا جائے تو نص بھی موجود ہوتی ہے مگر انہیں وہ پہنچی نہیں ہوتی،اگر انہیں وہ نص پہنچ جاتی تو وہ اس کے ذریعے سے

حجت پکڑتے اور قیاس کو چھوڑ دیتے۔ ہاں ان کے بعد دوسرے لوگ آئے جنہوں نے سنت کو ان سے زیادہ پڑھا جوامع سے، مسانید و معاجم اور آخر تک سنت کی جتنی بھی کتب ہیں ان سے، تو پھر آپ خود دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہیں تو وہ اجماع جو پہلے ان سے ہو چکے تھے ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس بارے میں نص بھی موجود ہے۔ یعنی انہوں نے اجماع کیا تھا صحیح اجماع جو نصوص شریعہ کے مطابق تھا۔ اگر انہیں یہ نص معلوم ہوتی تو وہ ضرور اس کے ذریعے حجت پکڑتے لیکن انہیں ملی نہیں۔ اور بعد میں ایسے لوگ آئے جنہوں نے مزید استقراء اور تتبع کیا جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ ہیں تو پھر انہوں نے پایا کہ یہ جتنے اجماعات قائم تھے ان سے پہلے ہی اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت شدہ نصوص موجود ہیں۔ اسی طرح سے ایسے قیاسات جو علماء نے قیاس کیے تھے اور وہ صحیح ہوتے تھے، تو ان کے بارے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نصوص موجود تھے لیکن ان کے علم تک یہ نہیں پہنچے تھے۔

بہر حال امام احمد رحمہ اللہ قیاس کو رد کرنے میں شدت اختیار کرتے تھے، اور آپ ایسے اور بھی بہت سے امور کا انکار کرتے تھے جن پر لوگ یوں ہی دعویٰ کر لیتے ہیں اجماع کا، اور اس قول پر نکیر کیا کرتے تھے کہ کوئی یوں کہے کہ: پوری قوم کا اس مسئلے پر اجماع ہے تو امام احمد رحمہ اللہ یہ فرماتے:

''آپ کو کیا معلوم شاید کہ اس میں اختلاف موجود ہو، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مجھے فلاں مسئلے کے

بارے میں اختلاف کا علم نہیں"۔

[دیکھیں:"مسائل الإمام أحمد" رواية عبدالله، رقم (1826)، و "العدة في أصول الفقه" لأبي يعلىٰ (ص 1059) و "الأحكام" لإبن حزم (573/4) و"المسودة فى أصول الفقه" لآل تيمية (ص 283) و "إعلام الموقعين" (247/230/1) و "الصواعق المرسلة" (579/2) لإبن القيم]

لیکن یہ نہ کہے کہ: پوری امت اس مسئلے اور قضیہ پر مجتمع ہے۔

چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ دوسرے آئمہ کی طرح یہ رائے رکھتے ہیں کہ احتیاط اس بات میں ہے کہ انسان یہ کہے: "لا اعلم خلافاً" (مجھے اس بارے میں اختلاف کا علم نہیں) کیوں کہ ہو سکتا ہے کوئی اختلاف موجود ہو لیکن وہ اس تک پہنچا نہ ہو اور وہ اس پر مطلع نہ ہوا ہو۔

پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس (سنت) کے لیے مثالیں بیان نہیں کی جاتیں"۔

یعنی اگر نص آجائے تو اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:65)

(نہیں ہر گز نہیں آپ کے ربّ کی قسم یہ لوگ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو حاکم (فیصلہ کرنے والا) ہر اس چیز میں نہ بنا دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، پھر جو کچھ فیصلہ آپ کر لیں اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں، بلکہ مکمل طریقے سے سر تسلیم خم کر دیں)

اگر کوئی انسان آپ کے سامنے صحیح ثابت شدہ حدیث بیان کرتا ہے یا حسن درجے کی تو یہ نہیں کہ واللہ! واللہ! یعنی (اس سے ٹکراؤ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے) مختلف مثالیں بیان نہ کرو۔ یہ وہی بات ہے جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی جیسا کہ سنن ابن ماجہ کے مقدمے میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

[رواه ابن ماجه فی المقدمة، باب تعظيم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم والتغليظ على من عارضه، حديث رقم (22)، مختصراً كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء مما غيرت النار، حديث رقم (485). والترمذي: كتاب الطهارة، باب ماجاء فی الوضوء مما غيرت النار، حديث رقم (79).]

یعنی جب آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"عَلَى مَنْ أَكَلَ مَا مَسَّتْهُ النَّارُ الْوُضُوءَ"

(ہر وہ چیز جو آگ پر پکی ہو یا آگ اس کو چھوئی ہو اسے کھانے والے پر وضو ہے)۔

اس حدیث کو اس مسئلے کے تحت ذکر فرمایا کہ جس نے کوئی ایسی چیز کھائی ہو جو آگ پر پکی ہو تو اسے وضوء کا حکم ہے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے یہ کہا: پھر خود ''حمیم''، یعنی گرم پانی کا کیا حکم ہے، کیا ہم اس سے وضوء کریں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''يَا ابْنَ أَخِي إِذَا بَلَغَكَ حَدِيْثَ رَسُولِ اَللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَضْرِبْ لَهُ الْأَمْثَالَ''

(اے بھتیجے، جب تمہارے پاس کوئی حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آجایا کرے تو اس طرح سے مثال بیان نہ کرو)۔

یعنی بس تسلیم کرو یہ قاعدہ ہے، بارک اللہ فیکم۔

آگے فرمایا امام احمد رحمہ اللہ نے:

''اسے (یعنی سنت کو) عقلوں اور اہواء سے پایا نہیں جاسکتا''۔

اسے عقلوں اور اہواء سے پایا نہیں جاسکتا بلکہ اسے نقل سے پایا جاسکتا ہے۔ آپ سنت چاہتے ہیں، آپ ہدایت چاہتے ہیں؟ تو آپ کو علم حاصل کرنا ہوگا، پڑھنا ہوگا۔ جب آپ کے پاس سنت آجائے تو پھر آپ اس میں تفقہ حاصل کریں تب اپنی عقل کو کام میں لائیں اس کی فقہ حاصل کرنے میں، فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ''

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی فقہ عطاء فرمادیتے ہیں)۔

[رواه البخاري: كتاب العلم، باب: من يرد الله به خيراً يفقه فى الدين، رقم الحديث: (71). ومسلم: كتاب الزكاة، باب النهي عن المسألة، رقم الحديث (1038)]

لیکن بغیر نصوص کے بغیر سنت کے آپ چاہیں کہ اللہ کے دین میں کوئی بات کریں تو بلا علم کے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی بات کہنے میں شمار ہوگا، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ، وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا، وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(الاعراف:33)

(آپ کہیے کہ صرف اور صرف حرام ٹھہرایا ہے میرے رب نے تمام فواحش کو چاہے وہ ظاہر ہوں یا باطن ہوں، اور گناہوں کی باتوں کو اور ناحق زیادتی کرنا، اور یہ کہ تم شریک کرو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیز کو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگادو جس کا تمہیں علم نہیں)

چنانچہ ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ عقائد میں، عبادات میں، حلال اور حرام میں توقیف اختیار کرے (یعنی رکا رہے جب تک اس کو دلیل نہ ملے) البتہ دنیاوی امور میں انسان

اجتہاد و محنت کرے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ"

(تم اپنے دنیاوی معاملات کو زیادہ بہتر جانتے ہے)۔

[رواه مسلم: كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعاً دون ماذكره ﷺ من معايش الدنيا على سبيل الرأي، حديث رقم (2363)]

دین کے تعلق سے اصل یہ ہے کہ دین کے بارے میں کوئی بھی بات کہنا حرام ہے سوائے وہ جس کی شارع نے آپ کو اجازت دی ہو۔ اگر آپ اپنی عقل کے ساتھ دین میں دخل دیں گے، اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کریں گے، اور اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کریں گے تو یہ سب سے بڑا گناہ ہے، بلکہ بسا اوقات تو یہ شرک سے بھی بڑھ جاتا ہے جیسا کہ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

[دیکھیں "إعلام الموقعين" (37/1 – الجيل)، و"مدارج السالكين" (372/1 – الفقي). ط/ دار الكتاب العربي (1393هـ)]

کیونکہ آپ اس آیت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بلاشبہ اس نص میں (گناہوں میں) ادنی سے اعلیٰ کی طرف تدرج ہے تو ان میں سے سب سے بڑا اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے کوئی بات کہنا ہے، شرک سے بھی بڑا، کیوں کہ اس کے اندر خود شرک بھی اور اس کے علاوہ دوسری

تقدیر پر ایمان لانا خواہ اچھی ہو یا بری

ان لازمی سنتوں میں سے جن میں سے کسی ایک خصلت کو بھی کوئی اس طور پر ترک کرے کہ نہ تو اسے قبول کرے اور نہ ہی اس پر ایمان رکھے تو وہ ان (اہل سنت والجماعت) میں سے نہیں:

اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا، اور اس بارے میں آئی احادیث کی تصدیق کرنا اور ان پر ایمان

چیزیں بھی داخل ہیں، کیوں کہ شرک بھی اہل باطل اور اہل ضلالت و گمراہی کے اقوال کے سوا کیا ہے۔

چنانچہ شدید طریقے سے بچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی طرف سے کوئی کلام کرنا، اپنی خواہش نفس کے ذریعے کوئی کلام کرنا اپنی عقل و ہوشیاری و ذہانت و فہم کے دھوکے میں آکر۔ بلکہ جو فقہ ہے وہ اس نص کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا طریقہ ہوا کرتا تھا۔ اور جیسا امام احمد رحمہ اللہ نے یہاں فرمایا:

"صرف اتباع کرنی ہے اور اپنی خواہش نفس کو چھوڑ دینا ہے"۔

یعنی اپنی عقل کو دین پر مسلط نہ کریں اور نہ ہی اپنی ہواء اور خواہشات کو دین پر مسلط کریں، بلکہ صرف اور صرف اتباع کریں پیروی کریں اور ہواء پرستی کو چھوڑ دیں، اور اللہ رب العالمین کے لیے بالکل خالص ہو جائیں۔

لانا۔ یہ نہیں کہنا کہ: کیوں؟، اور کیسے؟، بلکہ محض اس کی تصدیق کرنا اور ایمان لانا ہے[3]۔

---

[3] اس کی شرح کرتے ہوئے شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ فرمانا:

''ان لازم سنتوں میں سے ہے کہ جن میں سے ایک خصلت کو بھی کسی نے ترک کیا اس طریقے سے کہ نہ اسے قبول کیا اور نہ اس پر ایمان لایا تو وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے''۔

اس پر آپ متنبہ ہو جائیں اور غور کریں اس بارے میں یہ جو فقرہ ہے یہ بہت اہم ہے، کیوں کہ اس کے بعد امام احمد رحمہ اللہ عنقریب ہمارے لیے ایسے اصول بتانے والے ہیں کہ جس نے اس میں سے کسی بھی چیز کو چھوڑا تو وہ اہل السنۃ میں سے نہیں ہے یعنی سنت کے دائرے سے خارج ہو کر بدعت میں وہ داخل ہو جائے گا چنانچہ اس پر آپ متنبہ رہیں (یہ بہت اہم بات ہے)۔

''ان لازم سنتوں میں سے ہے کہ جن میں سے ایک خصلت کو بھی کسی نے ترک کیا'' یعنی اسے پورے کا پورا یا اس میں سے زیادہ تر حصے کو چھوڑ دیا تو یہ بہت بڑی بلاء اور آزمائش ہے! ''اسے قبول نہ کیا'' یعنی اس نے انکار کیا اس کو ماننے سے یا ''اس پر ایمان نہیں لایا تو پھر وہ اس کے اہل میں سے نہیں ہے'' اور اگر وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ وہ اہل بدعت اور ضلالت یعنی گمراہوں میں سے ہے، العیاذ باللہ۔ اور آپ لوگ یہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ بدعت تقسیم ہوتی ہے کبائر اور صغائر میں، شرک، الحاد اور مختلف مصیبتوں اور بلاؤں

میں، جیسا کہ امام ابن القیم اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہما نے یہ بات فرمائی ہے کہ:

''بدعت کفر سے مشتق (نکلی) ہے اور اسی کی جانب لوٹنے والی ہے''۔

[دیکھیں: مدارج السالکین (1/371-374)، الاقتضاء (ص 289 – الفقی)، مجموع الفتاوی (6/359 اور 28/172)، درء تعارض العقل والنقل (1/108، 3/3)، اور منہاج السنۃ (6/246) لشیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ]

اور بدعت اہواء اور گمراہی پر قائم ہوتی ہے، فرمان ربانی ہے:

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ﴾ (الجاثیۃ: 23)

(کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنی ہویٰ (خواہش نفس) کو اپنا الہ معبود بنا رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسے علم ہونے کے باوجود گمراہ کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی سماعت پر اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے، اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، ایسے کو پھر اللہ تعالیٰ کے بعد کون ہدایت دینے والا ہے)۔

پس ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں ہویٰ کی پیروی سے۔ اسی لیے اہل سنت، اہل بدعت کو اہل اہواء کہتے ہیں کیوں کہ انہوں نے اللہ کے دین کی مخالفت کی اور اپنی اہواء و خواہشات کی پیروی کی۔ اہل اہواء جیسا کہ خوارج ہیں، روافض ہیں، معتزلہ ہیں، جہمیہ ہیں، مرجئہ، صوفی

حلولی یا اہل وحدۃ الوجود ہیں یا قبر پرست لوگ اور ان جیسے دوسرے لوگ ہیں، یہ ساری کی ساری بدعات، ضلالت اور گمراہیاں ہیں جو کہ مخالف ہیں کتاب و سنت کے نصوص کے، اور مخالف ہیں اصول اہل سنت اور ان کے قواعد کے۔

ان میں سے پہلی چیز امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تقدیر کے اوپر ایمان لانا"۔

جو تقدیر پر ایمان نہیں لاتا تو وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے کیوں کہ اس نے ایک عظیم خصلت اور اصول سنت میں سے ایک عظیم اصول کو چھوڑ دیا ہے۔ تقدیر پر ایمان لانا تو ارکان ایمان میں سے ایک رکن ہے۔

جس پر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت دلالت کرتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ (یس:12)

(ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے ایک واضح کتاب میں)

چنانچہ ہر وہ حادثہ و واقعہ جو رونما ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کا پہلے سے علم رکھتے ہیں اور اسے لکھ بھی رکھا ہے لوح محفوظ میں۔ چنانچہ یہ تقدیر کے دلائل میں سے ہیں اور یہ آیت بھی ہے

کہ:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾(القمر:49)

(بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے ساتھ پیدا کیا ہے)

اور جبریل علیہ السلام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا تاکہ اپنی اس ملاقات میں دین کے وہ اصول اور ارکان مقرر کر کے انہیں بتائیں جن کی بنیاد پر یہ دین قائم ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا:

''الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ''

(اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رمضان کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو (جو اس کی استطاعت رکھتا ہے))۔

یہ ارکان اسلام ہیں۔

آگے فرمایا:

”مَا الإِيمَانُ ؟ قال: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللهِ تَعَالَى“

(ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ: تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر ،اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور تقدیر کے اوپر ایمان لاؤ خیر ہو یا شر ہو وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہے)۔

[رواه البخاري: كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان، حديث رقم (50)، ومسلم: كتاب الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان، حديث رقم (8008) و(90) من حديث عمر رضی اللہ عنہ.]

اور یہ ارکان ایمان ہیں۔

اور تقدیر قرآنی آیات میں مذکور ہے جیسا کہ پہلے گزرا، اور جو اصول ایمان ہیں وہ ایک سے زیادہ آیات میں ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾(البقرة:285)

(رسول ایمان لائے جو کچھ ان پر نازل ہوا ان کے ربّ کی طرف سے اور مومن لوگ بھی، یہ

سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، (اور کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے اس کے کسی بھی رسول میں (کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہیں بلکہ سب پر لاتے ہیں) اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، اے ربّ! ہم تیری مغفرت کے طالب ہیں اور تیری ہی جانب لوٹ کر جانا ہے)

چنانچہ کبھی تقدیر کا بیان علیحدہ مستقل نصوص میں آتا ہے اور باقی اصول (ارکان ایمان) اس ترتیب کے ساتھ نصوص میں ذکر ہوتے ہیں۔ تو ان تمام چیزوں پر دلالت کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی اور نبی کریم ﷺ کی سنت بھی جیسا کہ اس حدیث جبریل میں ابھی آپ نے پڑھا، یا جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، ہو سکتا ہے تقدیر سے متعلق اسی رسالے میں دوسرا موقع آئے تو وہاں ہم اس کے مزید دلائل ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

[سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ہمیں بیان کیا رسول اللہ ﷺ جو کہ صادق و مصدوق ہیں کہ:

"إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطفة، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللهُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ، وَعَمَلِهِ، وَأَجَلِهِ، وَشَقِيٌّ، أَوْ سَعِيدٌ، فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا

ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا"

(بے شک تمہاری پیدائش کی تیاری تمہاری ماں کے پیٹ میں چالیس دنوں تک نطفہ کی صورت میں کی جاتی ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک ایک جمے ہوئے خون کے صورت اختیار کئے رہتا ہے، پھر وہ اتنے ہی دنوں تک ایک گوشت کو لوتھڑا رہتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے، اور اسے چار باتوں (کے لکھنے) کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ لکھے: اس کے رزق، اس کے عمل، اس کی مدت زندگی، اور یہ کہ بد بخت ہے یا نیک بخت۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں بے شک تم میں سے ایک شخص زندگی بھر جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب جنت اور اس کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی لکھی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جہنمیوں والے عمل کرنے لگتا ہے اور اسی میں جا داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح بے شک تم میں سے ایک شخص زندگی بھر جہنمیوں والے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب جہنم اور اس کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی لکھی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جنتیوں والے عمل شروع کر دیتا ہے اور اسی میں داخل ہو جاتا ہے)۔

رواه البخاري في كتاب القدر، باب في القدر، برقم (6594)، ومسلم في كتاب القدر، باب كيفية الخلق الآدمي في بطن أمه وكتابة رزقه وأجلهوعمله وشقاوته

وسعادته، برقم (2643)]

چناچہ وہ اصول کہ جن میں اگر کسی نے کسی بھی اصول کو چھوڑا تو وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے، انہی میں سے یہ:

''تقدیر پر ایمان لانا خیر ہو یا شر''۔

ایک مومن پر یہ لازم ہے کہ وہ یہ ایمان رکھے کہ بلاشبہ جو تقدیر ہے وہ ساری کی ساری خیر ہو یا شر ہو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الواسطیہ'' اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں تقدیر سے متعلق کلام فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اس کے مختلف درجات ہیں:

پہلا درجہ: اللہ تعالیٰ کا علم جو محیط ہے ہر چیز پر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیم وازلی علم سے اپنی مخلوقات کی ہر چیز کو جان رکھا ہے، چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی، باریک ہو کہ جلی۔

پھر اسے ایک کتاب محفوظ میں لکھ بھی دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

''قَدَّرَ اللهُ مَقَادِيرَ كُلِّ شَيْءٍ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ''

(اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال پہلے ہر چیز کی تقدیر لکھ لی

ہے)۔

[رواه مسلم: كتاب القدر، باب حجاج آدم موسى عليهما السلام، حديث رقم(2653)عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ، اُكْتُبْ. قَالَ: مَا اَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَا يَكُونُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةُ''

(اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس کہا کہ لکھو۔اس نے کہا: میں کیا لکھوں ؟فرمایا: لکھو جو ہو رہا ہے اور جو ہو گا تا قیامت)۔

[من رواية عبادة بن الصامت رضي الله عنه، وابو داود: كتاب السنة، باب فى القدر، حديث رقم (4700)]

چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ بھی لیا اپنی تمام معلومات کو جو اس کے اس علم میں سے ہے جو کہ شامل ہے کامل ہے اور ہر چیز کو محیط ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا، وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾(الانعام:59)

(اوراس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جسے نہیں جانتا کوئی بھی مگر صرف وہی،اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہےاور تری میں، کوئی پتہ بھی نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے،اور کوئی ایک دانہ بھی جو اندھیروں میں جا کر گرتا ہے زمین کے، یا کوئی خشک یا تر چیز نہیں ہے مگر وہ کتاب مبین میں لکھی ہوئی ہے)

اور فرمایا:

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾(لقمان:16)

(اے میرے پیارے بیٹے! بے شک اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایسا ہو کہ وہ چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو، یا زمین میں ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور لے آئے گا)۔

پس اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ازل سے علم رکھتا ہے اور ان تمام چیزوں کو لوح محفوظ میں مدون بھی کر لیا ہے۔

دوسرا درجہ: وہ ہے اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے اوپر ایمان لانا جو کہ عام ہے اور شامل ہے ہر چیز کو، اور ہر اس مراد کو بھی جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایمان لانا جس کے ذریعے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا۔ جتنی بھی موجودات ہیں خواہ سابق

ہوں یا لاحق، چھوٹی ہوں بڑی، قول ہو یا فعل، حرکت ہو یا سکون، نہیں ہوتا کچھ بھی مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مشیئت سے، اور نہیں آتا وجود میں مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تخلیق سے اس کی ایجاد سے، ایسی مشیئت اور قدرت جسے کوئی چیز بھی عاجز نہیں کر سکتی۔

اس کے باوجود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور کتابیں نازل فرمائیں، بندوں کو اوامر و نواہی کا مکلف بنایا، عقائد، عبادات اور اس جیسی تمام چیزوں کا۔ چنانچہ جو مطیع ہے جو اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے اپنے اختیار اور ارادے سے لیکن یہ بات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مشیئت اور قدرت کے منافی نہیں ہے۔

چنانچہ جو اطاعت کرتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقے پر چلتا ہے تو اس کی جزاء جنت ہے، اور جو رسولوں کی نافرمانی کرتا ہے، ان کی تکذیب اور ان کی مخالفت کرتا ہے تو اس کا اس پر حساب ہوگا اور اس کی سزا اس کے انحراف کے بقدر ہوگی، اگر کفر میں مبتلا تھا تو پھر اس کا انجام آتش جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا، اور اگر وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکبین میں سے تھا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ماتحت ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس سے درگزر فرمائے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔

شاہد یہ ہے اس بات میں کہ بلاشبہ تقدیر پر خیر ہو یا شر ایمان لانا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعتوں پر عمل کرے، کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ''

(تم عمل کیے جاؤ ہر کسی کو آسانی دی جاتی ہے اس عمل کے لیے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے)۔

[یہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔رواه البخاري في التفسير، باب ﴿فَسَنُيَسِّرُهُۥ لِلْعُسْرَىٰ﴾، برقم (4949)، ومسلم في القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه، حديث رقم (2647)]

اور بعض لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سوال کیا کہ آج جو ہم عمل کرتے ہیں وہ کس چیز کے مطابق ہے؟ کیا اس چیز کو پانے کے لیے ہم کرتے ہیں جو قلم نے لکھ لی ہے اور صحیفے خشک ہو گئے، اور جس چیز کے بارے میں تقدیر مقرر ہو چکی یا پھر ہم نئے سرے سے عمل کرتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بَلْ فِيمَا جَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ۔ قيل: فَفِيمَ الْعَمَلُ؟ قَالَ: اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ''

(نہیں بلکہ تمہارا عمل اس کے مطابق یا اس چیز کو پا لینے کے لیے ہوتا ہے جس پر قلم لکھ کر خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر اس پر جاری ہو چکی ہے، تو کہا گیا: پھر ہم عمل کس لیے کریں؟! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عمل کرو ہر کسی کو آسانی دی جاتی ہے)۔

[ومسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي فى بطن أمه، حديث رقم (2647) من حديث جابر رضی اللہ عنہ]

جو اہل سعادت ہیں ان کے لیے اہل سعادت والا عمل آسان کر دیا جاتا ہے، اور جو اہل شقاوت (بد بخت لوگ) ہیں ان کے لیے اہل شقاوت والا عمل آسان کر دیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا: ''اعْمَلُوا'' (عمل کرو) یعنی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہو شریعتوں پر عمل کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار دیا ہے، اور آپ کو یہ قدرت دی ہے، اور آپ کو ایسی عقل دی ہے جس سے آپ حق اور باطل میں، ہدایت اور گمراہی میں، اطاعت اور معصیت میں تمیز کر سکتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ سے اسی چیز کا حساب لے گا جو آپ کو ایسے آلات اور ایسی چیزوں عطاء فرمائی ہیں جن سے آپ حیوانات اور جمادات سے ممتاز کہلاتے ہیں۔ اور یہی اللہ تعالیٰ عزوجل کے سامنے مسئولیت کی اصل اساس ہے اور اسی پر جزا و بدلہ مرتب ہوتا ہے خواہ عزت افزائی کی صورت میں ہو یا اہانت اور ذلت کی صورت میں۔

آگے چل کر فرمایا امام احمد رحمہ اللہ نے:

''اس بارے میں جو احادیث آئی ہیں ان کی تصدیق کرنا''۔

یعنی تقدیر سے متعلق جو احادیث ہیں ان میں سے کچھ ہم نے ذکر فرمائیں جیسا کہ حدیث جبریل علیہ الصلوۃ والسلام ہم نے ذکر کی اس میں بھی یہ ہے کہ:

''تم ایمان لاؤ تقدیر پر اچھی ہو یا بُری''۔

یہ عام تقدیر کے بارے میں ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ کا علم ہے جو شامل ہے اور سابق ہے، اور اس کا مرجع وہ ہے جو اللہ عزوجل نے لوح محفوظ میں لکھا ہے۔

اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جو تقدیر کے متعلق ہے وہ تقدیر عمری ہے، جو انسان کی عمر کے متعلق تقدیر ہے تو وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے۔

''بے شک تمہاری پیدائش کی تیاری تمہاری ماں کے پیٹ میں چالیس دنوں تک نطفہ کی صورت میں کی جاتی ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک ایک جمے ہوئے خون کے صورت اختیار کئے رہتا ہے، پھر وہ اتنے ہی دنوں تک ایک گوشت کو لوتھڑا رہتا ہے۔ (یعنی چالیس چالیس دن) پھر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے پس اسے چار باتوں (کے لکھنے) کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ لکھے: اس کے رزق، اس کی مدت زندگی، اس کے عمل اور یہ کہ بدبخت ہے یا نیک بخت)۔

[حدیث کی تخریج گزر چکی ہے]

اسے تقدیری عمری کہا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ سالانہ تقدیر ہوتی ہے یعنی لیلۃ القدر (شب قدر) میں ہوتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ. فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾(الدخان:3-4)

(بلاشبہ ہم نے نازل کیا اسے مبارک رات میں، بے شک ہم ڈرانے والے خبر دار کرنے والے تھے، اسی میں فیصلے کیے جاتے ہیں ہر محکم و حکمت والے کام کے)

چنانچہ اس میں اللہ عزوجل کی جانب سے وہ تقدیریں لکھ کر دی جاتی ہیں جو بندوں کے بارے میں اس سال جاری ہوں گی یعنی اعمال صالحہ یا بُرے اعمال، اسی طرح جو مصائب اور حادثات وغیرہ اور اس جیسی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سالانہ طور پر اس رات کو دی جاتی ہیں اور اسے سالانہ تقدیر کہتے ہیں جو اللہ عزوجل مقدر فرماتے ہیں اس رات کو۔

اس کے علاوہ ایک روزانہ کی تقدیر۔ اور یہ اللہ عزوجل کے اس فرمان میں آتی ہے:

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾(الرحمٰن:29)

(ہر روز وہ شان میں ہے ایک کام میں ہے)۔

یعنی اس کے کاموں میں سے ہے کہ وہ پیدا فرماتا ہے موت دیتا ہے، رزق دیتا ہے، کسی کو دیتا ہے کسی سے روکتا ہے، اور نصرت فرماتا ہے، عزت دیتا ہے ذلت دیتا ہے، اور کسی مشکل میں گھرے کو آزاد کرتا ہے، یا مریض کو شفاء دیتا ہے، پکارنے والے کی دعاء قبول کرتا ہے اور مانگنے والے کو عطاء کرتا ہے، توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، مشکل کشائی فرماتا ہے، گناہوں

کو معاف فرماتا ہے اور بعض قوموں کو عروج دیتا ہے تو بعض کو ذلت اور پستی میں دھکیل دیتا ہے۔

[دیکھیں شفاء العلیل لابن القیم رحمۃ اللہ علیہ ص 23 اور جو اس سے ماقبل ہیں]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان پر ہم ایمان لے کر آئیں"۔

یعنی ان نصوص پر۔

"یہ نہیں کہیں کہ کیوں؟"۔

یعنی کیوں اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا اور فلاں چیز کیوں مقدر فرمائی، اور فلاں حکم کیوں نہیں دیا اور فلاں چیز سے منع کیوں کیا؟۔

چناچہ فرمایا:

"نہ لِمَ (کیوں) کہے اور نہ کَیْفَ (کیسے) کہے"۔

بلکہ صرف اور صرف ہمارے ذمہ یہ ہے کہ ایمان لائیں، تسلیم کریں اور مکمل طریقے سے سر تسلیم خم کر دیں۔ کیوں کہ اس قسم کے جو سوالات ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر

جو کسی حدیث کی تفسیر نہیں جانتا ہو مگر اس کی عقل اسے سمجھ جائے، تو یہی (محض اس کا معنی سمجھ جانا ہی) اس کے لئے کافی ہے اور وہ اس کے حق میں محکم کے حکم میں ہے، اسے چاہیے کہ اس پر ایمان لائے اور اسے مکمل طور پر تسلیم کرلے۔ جیسا کہ ''الصادق المصدوق'' والی حدیث، اور اس جیسی دوسری تمام احادیث جو تقدیر اور (بروز قیامت) رویت باری تعالی کے بارے میں ہیں، اگرچہ وہ سننے میں عجیب لگیں اور سننے والا ان سے حیران ہو جائے، اس پر بس ایمان لانا واجب ہے، اور ان میں سے کسی ایک حرف کا یا احادیث کا جو ثقہ راویوں سے مأثور چلی

اعتراض کی صورت میں پیدا ہوئے ہوں، اس کی تقدیر اور اس کی شریعت، اس کے اوامر اور نواہی پر اعتراض۔ حالانکہ آپ کے ذمہ تو صرف تسلیم کرنا ہے خصوصاً تقدیر کے باب میں، کیوں کہ جو تقدیر کا باب ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ''سر اللہ'' (اللہ تعالی کا راز ہے)، اس میں سے جو کچھ آپ کو معلوم چل جائے تو الحمد للہ، اور جو معلوم نہ بھی چلے تو پھر آپ کے ذمہ صرف تسلیم کرنا ہے، یہ نہ کہیں کہ:

''کیوں اور کیسے؟ بلکہ صرف اور صرف آپ کو تصدیق کرنی ہے اور اس پر ایمان لانا ہے''۔

یہ واجب ہے ہر مسلمان کے اوپر اور یہی تقاضہ ہے اس شہادت اور گواہی کا جو آپ دیتے ہیں ''لَا إِلَهَ إِلَا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ'' کہ آپ اللہ تعالی کے آگے سر تسلیم خم کر کے جھک گئے ہیں جو بھی وہ آپ کو حکم دے یا جس چیز سے بھی وہ آپ کو روکے، جس چیز کو بھی شریعت بنا کر نازل فرمائے، اور جس بھی تقدیر کو اللہ سبحانہ وتعالی مقدر فرمائے خواہ وہ خیر ہو یا شر۔

آرہی ہیں انکار نہ کرے[4]۔

4امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا:

''جو کسی حدیث کی تفسیر نہیں جانتا ہو مگر اس کی عقل اسے سمجھ جائے، تو یہی (محض اس کا معنی سمجھ جانا ہی) اس کے لئے کافی ہے اور وہ اس کے حق میں محکم کے حکم میں ہے''۔

کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ:286)

(اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی وسعت اور طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا)

بعض ایسے نصوص ہیں کہ جنہیں ہو سکتا ہے کہ آپ سمجھ نہ پائیں اور اس کا ادراک نہیں کر سکیں کہ اس میں حکمت کیا ہے اور اس سے اصل غرض و غایت کیا ہے؟ یا اس میں اس کے پیچھے کیا راز ہے کیا اسرار ہے؟ آپ کو بس چاہیے کہ ایمان لائیں اور تصدیق کریں، کیوں کہ یہی آپ کے ایمان کا تقاضہ ہے اور اس تصدیق کرنے کا تقاضہ ہے کہ آپ کہتے ہیں ''آمنت بالغیب'' (میں غیب پر ایمان لایا)، اور میں ایمان لایا کہ بلاشبہ محمد رسول اللہ ﷺ حق پر ہیں، اور بلاشبہ قرآن بھی حق ہے، اور جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں وہ بھی حق ہے، اور آپ ﷺ بے شک اپنی خواہش نفس سے کلام نہیں فرماتے (بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی سے کلام فرماتے ہیں) چناچہ ان میں سے جنہیں آپ نے جان لیا تو الحمد للہ اور جنہیں

نہیں جان سکے مکمل طور پر تو اسے سپرد کر دیں اس کے عالم کی طرف جو اسے جانتا ہے، آپ کے سلسلے میں اتنا ہی کافی ہو گیا ہے۔

رؤیت باری تعالی (اللہ تعالی کے دیدار) پر ایمان لانا:

امام احمد رحمہ اللہ کا یہ کہنا:

''ان ہی احادیث کی مثالوں میں سے رؤیت الٰہی والی احادیث بھی ہیں ساری کی ساری''۔

یعنی آخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار ہونا اس بارے میں ایک بندے پر واجب ہے کہ وہ ایمان لائے کہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو آخرت میں دیکھا جائے گا، اور مومنین اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

معتزلہ (جو گمراہ فرقہ ہے) نے باطل شبہات کی بنیاد پر آخرت میں رؤیت الٰہی کا کا انکار کیا ہے۔ اور اہل سنت نے ان کے اوپر رد کیا حجتوں اور براہین کے ساتھ کتاب اللہ میں سے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے، اور ان پر رد کرنے کے سلسلے میں یا ان پر رد کرنے والوں میں سے ایک امام ابن القیم رحمہ اللہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح'' ص 197-204 میں ان کا رد کیا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ سات آیات کو قرآن کریم سے لے کر آئے ہیں، ایسی کہ ایک انسان بظاہر اس سے استدلال کو بعید تصور کرتا ہے (کہ اس میں کہاں دلیل ہے!) لیکن اگر اچھے طریقے سے اس پر غور وفکر کیا جائے تو پھر آخر کار انسان پالیتا ہے

کہ واقعی امام صاحب اس سے استدلال کرنے میں حق اور صواب پر تھے۔ مثال کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾ (البقرۃ:223)

(بلاشبہ تم اس (اللہ تعالیٰ) سے ملاقات کرنے والے ہو)

فرماتے ہیں: ''کیوں کہ جو لقاء (ملاقات) ہے اس میں رؤیت اور معاینہ ضروری ہے''۔

اور یہی لغت عرب کا تقاضہ ہے۔

اسی طریقے سے آپ نے حجت پکڑی اس سے کہ وہ آیات جن سے رؤیت الٰہی کا انکار کرنے والے چمٹے رہتے ہیں جیسا کہ اس فرمان الٰہی سے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الانعام:103)

(آنکھیں اس (اللہ) کا ادراک نہیں کر سکتیں، البتہ وہ تمام بصارتوں کا احاطہ کرنے والا ہے، اور وہ بہت باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بات نقل کی کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی محض نفی کے ساتھ مدح نہیں کی جاتی بلکہ اس کی مدح ایسی نفی کے ساتھ کی جاتی ہے جس کے ضمن میں اثبات ہو

(صفات کمال کا)اور اس بارے میں آپ نے بہت سی مثالیں بیان فرمائیں [جیسے اللہ تعالی سے ظلم کی نفی کی گئی ہے، تو محض اس نفی سے مدح نہیں ہو گی کہ اللہ تعالی نعوذ باللہ عاجز ہے، بلکہ ظلم کی نفی کے ساتھ کمال عدل کی صفت بھی ثابت ہوتی ہے]، لہذا یہاں اللہ تعالی کا یہ فرمانا: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ (بصارتیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) اس میں بھی رؤیت کا اثبات ہے، کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کی مکمل نفی نہیں ہے بلکہ احاطے کی نفی ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا تو کوئی چیز بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ آپ سورج کو دیکھتے ہیں، آسمان کو دیکھتے ہیں اور بہت ساری موجودات کو دیکھتے ہیں، اس کے باوجود اس کا احاطہ نہیں کر سکتے، اگرچہ آپ بالجملہ اسے دیکھ رہے ہیں۔

اسی طریقے سے دوسری آیت سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا:

﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ (الاعراف:143)
(آپ مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتے)

سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ربّ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنا دیدار کروائیں اگر یہ بات حرام ہوتی یا محال ہوتی تو کبھی بھی سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا مطالبہ ہی نہ کرتے، یہاں فرمایا: ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ یہ نہیں فرمایا کہ ''لا ترانی'' بلکہ ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ یعنی الآن (اس وقت) آپ مجھے

ہر گز نہیں دیکھ سکتے!

پھر فرمایا آگے:

﴿فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾

(پس جب ان کے ربّ نے اپنی تجلی پہاڑ پر فرمائی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا)

لیکن سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طاقت نہیں رکھتے تھے، کیوں کہ انسان کی اس دنیا میں جو موجودہ ترکیب ہے کہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی سکت نہیں رکھتا۔اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ صحیح حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں:

"حِجَابُهُ النُّورُ، لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ"

(اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے، اگر وہ اسے اٹھادے تو اس کے بزرگی وعظمت والے چہرے کی نورانیت وتجلیوں سے اس کی مخلوق میں سے تاحد نگاہ ہر چیز جل کر راکھ ہو جائے)۔

[رواه مسلم، كتاب الإيمان، باب في قوله ﷺ: "إن الله لا ينام"، وفي قوله: "حجابه نور.." حديث رقم (179) من رواية أبي موسى الأشعري رضي الله عنه]

چنانچہ انسان کو جس موجودہ ساخت میں بنایا گیا ہے اس دنیا میں وہ اس بات کا متحمل نہیں یعنی روئیت باری تعالی کو وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ جب پہاڑ کا اپنی سختی کے باوجود یہ حال ہوا کہ وہ اس کی محض ایک تجلی سے ریزہ ریزہ ہو گیا تو پھر کمزور انسان اس کی روئیت کی طاقت کہاں رکھ سکتا ہے! لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب اپنے بندوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائیں گے، اور مومنین کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور مختلف واقعات جو ہونے ہیں وہ ہوں گے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس حالت میں انہیں جنت میں داخل کرائیں گے اس ہیئت اور اس ترکیب میں انہیں بنایا گیا ہو گا کہ وہ دیدار الٰہی کی طاقت اور سکت رکھتے ہوں گے، اور اس کے لیے تیار ہوں گے۔

ان آیات میں سے جن سے آخرت میں مومنین کا دیدار الٰہی کرنا ثابت ہوتا ہے یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس:26)

(جن لوگوں نے احسان بھلائی کی ان کے لیے الحسنیٰ ہے اور اس سے بھی زیادہ ایک چیز ہے)

تو رسول کریم ﷺ نے اس کی تفسیر رؤیت الٰہی و دیدار الٰہی سے کی ہے جیسا کہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔

[رواه مسلم، كتاب الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين ربهم سبحانه وتعالى، حديث

رقم (181)]

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایک تعداد نے کہ اس آیت میں جو ''الزیادہ'' کا لفظ ہے اس سے رؤیت الٰہی ودیدار الٰہی مراد لی ہے یعنی ﴿الْحُسْنٰی﴾ سے مراد جنت ہے اور ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار ہے۔ اور یہ جنت سے بھی بڑھ کر افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دینے کے بعد اپنے بندوں سے فرمائیں گے جیسا کہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ:

''تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا، أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ عَزَّوَجَلَّ''

(کیا تم کوئی ایسی چیز چاہتے ہو جو میں اب تمہیں مزید دوں اس سے بڑھ کر؟ تو وہ کہیں گے کہ: اے ہمارے ربّ کیا تو نے ہمارے چہرے سفید روشن منور نہیں کر دیئے، کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرما دیا، اور ہمیں جہنم سے نجات نہیں بخشی (یعنی یہ ساری چیزیں تو مل گئی ہیں اور اس سے بڑھ کر کیا ہم چاہیں گے!) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: پس حجاب اٹھا دیا جائے گا تو انہیں اپنے ربّ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی چیز عطاء ہی نہیں کی گئی جو انہیں سب سے بڑھ کر محبوب ہو)۔

دیدار الٰہی سے بڑھ کر اور افضل کوئی بھی ایسی نعمت نہ ہو گی جس کے ذریعے سے وہ مستفید و بہرہ ور ہوئے ہوں۔

اور دیدار الٰہی کو ثابت کرنے کے تعلق سے جو احادیث ہیں جیسا کہ ہم نے کہا کہ بہت زیادہ ہیں یہاں تک کہ تیس کے قریب پہنچ جاتی ہیں جن میں سے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

[سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے آپ نے چاند کی طرف جو چودھویں کا چاند ''البدر'' ہوتا ہے نظر کی اور فرمایا:

''إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تَضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا''

(تم عنقریب اپنے ربّ کا یوں دیدار کرو گے کہ جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو، اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی، (اور اگر دیدار الٰہی کی چاہت ہے تو پھر) اگر تم کر یہ کر سکو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھنے میں کوئی چیز تم پر غالب نہ آجائے (نیند یا کوئی بھی کام) تو ضرور ایسا کرنا، (یعنی فجر اور عصر کی نماز ضرور وقت پر پڑھا کرو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾ (ق:39)

(اور اپنے ربّ کی تسبیح کے ساتھ حمد بیان کرو سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے

سے پہلے)

رواه البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ. إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القيامة: 22-23) برقم (7434)، ومسلم، المساجد، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما،برقم (633)]

اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ لوگوں نے یہ کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اپنے ربّ کو قیامت کے دن دیکھ پائیں گے؟

"قَالَ هَلْ تُمَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ؟ قَالُوا ، لَا يَا رَسُولَ اللهِ ! قَالَ: فَهَلْ تُمَارُونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ ؟ قَالُوا ، لَا. قَالَ: فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذَلِكَ"

(کیا تمہیں چاند کو دیکھتے ہوئے کوئی شک شبہ ہوتا ہے جب کہ بیچ میں کوئی بادل یا بدری بھی نہ ہو، انہوں نے کہا کہ: نہیں یارسول اللہ! فرمایا: پھر کیا جب سورج کی موجودگی میں کوئی شک شبہ ہوتا ہے جب بیچ میں کوئی بادل بھی نہ ہوں؟ کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم بھی بلاشبہ اسی طرح دیکھو گے)۔

[رواه البخاري: كتاب الأذان – باب فضل السجود، حديث رقم (806)، ومسلم،

كتاب الإيمان رقم (182)]

اس بارے میں کثیر احادیث ہیں جن میں سے کافی صحیح بخاری میں ہیں اور اسی طرح صحیح مسلم میں بھی ہیں۔ تو یہ کچھ کلام تھا رؤیت باری تعالی کے متعلق۔

اس کے آگے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اگرچہ اس قسم کی احادیث سن کر انسان کے کانوں کو عجیب لگے اور سننے والا حیران ہو"۔

یعنی جو اہل باطل ہیں انہیں یہ اچھوتی سی بات لگتی ہے یا عجیب بات لگتی ہے لیکن جو اہل حق ہوتے ہیں وہ کشادہ دلی کے ساتھ اس کو قبول کرتے ہیں۔

پھر فرمایا:

"اس کے ذمے تو صرف اور صرف یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے"۔

چنانچہ جب فتنے ظاہر ہوئے اور دیدار و رؤیت الٰہی کا انکار سامنے آیا تو بعض ایسے لوگ تھے جو لوگوں میں تشویش پھیلاتے تھے اس قسم کا کلام کر کے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابھی آپ نے سنی یا پھر رؤیت الٰہی سے متعلق آیت سنی کیا آپ میں سے کسی کے دل میں اس قسم کی تشویش پیدا ہوئی؟ کسی کے نہیں ہوئی، اور نہ ہی کانوں کو یہ عجیب و غریب لگی۔ لیکن جو اہل باطل ہیں انہیں صرف یہ تکلیف

ہوتی ہے اور ان کو یہ عجیب بات لگتی ہے، تو پھر وہ اٹھ کر اس قسم کا کلام کرتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اور اس میں سے کسی ایک حرف کا بھی انکار نہ کرے"۔

کیوں کہ بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ وہی کچھ فرماتے ہیں جو حق ہوتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات نہ لکھا کرو (کیونکہ وہ احادیث لکھا کرتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بشر ہیں کبھی خوشی کی حالت میں تو کبھی غصے کی حالت میں کلام فرماتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اُكْتُبْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَخْرُجُ إِلَّا حَقٌّ"

(تم ضرور لکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، (ہر حال میں) نہیں نکلتا میرے منہ سے مگر صرف حق)۔

[رواه أحمد، مسند عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، حديث رقم (6510، 6802) قال أحمد شاكر: إسناده صحيح]

خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یہ یہی فرمایا کہ:

دین میں جھگڑے وجدال ترک کرنا

اور نہ کسی سے جھگڑے اور نہ ہی مناظرہ کرے، اور نہ ہی جدال کرنا سیکھے، کیونکہ تقدیر، رویئت باری تعالی اور قرآن کریم وغیرہ کے بارے میں کلام (جدال) کرنا مکروہ وممنوعہ طریقوں میں سے ہے، ایسا کرنے والا اگرچہ اپنے کلام سے سنت کو پا بھی لے اہل سنت میں سے نہیں یہاں تک کہ جدال کو ترک کرکے آثار کو تسلیم کرے اور ان پر ایمان لائے[5]۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: 3-4)
(آپ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو آپ پر کی جاتی ہے)۔

[5] اور امام احمد رحمہ اللہ جدال ترک کرنے کی نصیحت کرتے ہیں یہ فرماتے ہوئے کہ:

"کیوں کہ تقدیر اور دیدار الٰہی اور قرآن وغیرہ کے بارے میں کلام (جدال) کرنا مکروہ (ناپسندیدہ) اور ممنوع ہے"۔

جدال سے اور خصومات (دین کے بارے میں فضول جھگڑا) کرنے سے منع کرنے کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔ مثال کے طور پر رسول اکرم ﷺ باہر نکلے اور دیکھا کہ لوگ آپس میں تقدیر کے متعلق مناظرہ کر رہے ہیں تو آپ ﷺ کو شدید غصہ آیا اتنا کہ گویا کسی نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر انار کا رس نچوڑ دیا ہو (اس قدر آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا) اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَتُرِيدُونَ أَنْ تَضْرِبُوا كِتَابَ اللهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ؟!''
(کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعض حصے کو بعض حصے سے ٹکراؤ)۔
[رواه إبن ماجه، المقدمة – باب فی القدر، حديث رقم (85)]

تو آپ ﷺ نے شدید قسم کا انکار کیا، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بلاشبہ تقدیر کے متعلق یا اس کے علاوہ دوسرے عقائد کے متعلق جدال اور جھگڑا کرنا ممنوع ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''اس قسم کا جدال کرنے والا شخص اگرچہ اپنے کلام سے ہی سنت کو کیوں نہ پالے پھر بھی اہل سنت میں سے نہیں ہو سکتا''۔

پس امام احمد رحمہ اللہ اس سے منع کرنے کے بارے میں بہت شدت اختیار فرماتے ہیں۔

(ہاں ان لوگوں کے بارے میں تو آپ کی بات بالکل درست ہے) جو یہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم سنت تک پہنچ ہی نہیں سکتے بغیر جدال کے، تو یہ بات واقعی غلط ہے۔

لیکن بہر حال یہ جو کلام ہے امام احمد رحمہ اللہ کا اسے مطلقاً نہیں لیا جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اجازت دی ہے احسن طریقے سے جدال کرنے کی، اگر اس میں جدال کی وہ شرعی شرائط پائی جائیں، اور جو جدال کرنے والے ہیں وہ واقعی حق کی چاہت رکھتے ہوں نہ کہ تکبر کرنا، یا دوسرے پر اپنی بڑائی ظاہر کرنا ہے یا نفرت اور عناد ہو۔ آپ سامنے والے کے لیے احسن

طریقے سے حق کو بیان کریں اور وضاحت کریں لیکن اگر آپ دیکھیں کہ معاملہ غیض وغصے، لڑائی جھگڑے اور بس ایک دوسرے پر بڑائی چاہنے کی طرف جارہا ہے تو پھر اس کو چھوڑ دیجئے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے پاس خوارج آیا کرتے تھے کہ مناظرہ کریں تو آپ ان سے مناظرہ نہیں فرماتے تھے، اسی طرح بعض روافض آتے مجادلے کے لیے تو آپ ان سے مجادلہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

آخر میں فرمایا امام احمد رحمہ اللہ نے:

"یہاں تک کہ جدال کو ترک کرکے آثار کو تسلیم کرے اور ان پر ایمان لائے"۔

یہ ہے وہ بات جو واجب ہے کہ: آپ ایمان لائیں آثار پر، اور انہیں روایت کرکے لوگوں تک پہنچائیں، اور ان کی تشریح بیان کریں، اور اگر لوگوں پر اس کو سمجھنا مشکل ہو رہا ہو تو ان کے لیے ان کی وضاحت کریں۔ پھر اگر اس کے بعد آپ دیکھیں کہ کوئی احسن طریقے سے آپ سے مجادلہ کرنا چاہتا ہے جس کا ارادہ استفادے کا ہے تو آپ اس کے لیے وضاحت کریں، اگر اس کے پاس کوئی شبہ ہے تو نرمی، حکمت کے ساتھ اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ اس کا ازالہ کریں۔

لیکن اس کے برعکس اگر وہ محض جھگڑالو ہے تو پھر ایسے شخص سے مجادلہ نہ کریں کیوں کہ یہ

قرآن مجید اللہ تعالی کا کلام ہے مخلوق نہیں

قرآن کریم اللہ تعالی کا کلام ہے مخلوق نہیں اور یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو کہ :(اللہ کا کلام) مخلوق نہیں۔ کیونکہ بے شک کلام اللہ (اللہ تعالی کا کلام) اس (اللہ) سے الگ نہیں اور جو بھی چیز اس (اللہ تعالی) سے ہے (الگ نہیں) وہ مخلوق نہیں۔ آپ کو ان لوگوں سے مناظرہ کرنے سے بچنا چاہیے جنہوں نے اس میں نئی باتیں ایجاد کیں، اور جو ''اللفظ'' وغیرہ کہے۔ جو اس میں توقف کرے اور کہے کہ : یہ صرف اللہ تعالی کا کلام ہے مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ تو ایسا شخص اسی طرح بدعتی ہے جس طرح جو کہے کہ وہ (قرآن مجید) مخلوق ہے۔ بلکہ (صحیح بات یہ ہے کہ) یہ اللہ تعالی کا کلام ہی ہے جو ہر گز مخلوق نہیں[6]۔

شخص حق بات کو چاہتا ہی نہیں ہے اور ایسے شخص کے ساتھ (بحث در بحث کرتے ہوئے) آپ کسی بھی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔

[6] یہ جو مسئلہ ہے جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں ایک بہت خطرناک مسئلہ ہے یعنی خلق قرآن کے قول کا مسئلہ، اس کی وجہ سے ایک عظیم آزمائش وامتحان اہل سنت والجماعت اور ان کے سربراہ امام احمد رحمہ اللہ پر کھڑا ہوا، اس کے نتیجے میں جیل میں قید و بند کی صعوبتیں اور مار برداشت کرنی پڑی، اور بعض قتل بھی کر دیے گئے۔ اس فتنے کو اٹھانے والے جہمیہ اور معتزلہ لوگ تھے جنہوں نے خلیفہ مامون، معتصم اور واثق ان تین عباسی خلفاء کے دور میں اسے اٹھایا۔ پوری امت کو ان جہمیہ، معتزلہ اور اہل گمراہی کے ہاتھوں اس عظیم و کٹھن امتحان سے

گزرنا پڑا، جو اس وقت اہل سنت پر مسلط ہو گئے تھے۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آخری انجام متقیوں کے لیے ہی لکھا اور انہیں ہی نصیب فرمایا۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے صبر کیا اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کی، اور ایسی مار و قید و بند اور شدید قسم کی تکالیف کو برداشت کیا کہ جسے پہاڑ بھی برداشت نہ کر پائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی عزت اور قدر و منزلت کو بہت بڑھا دیا اور آپ برحق اہل سنت کے امام کہلائے۔ اب کوئی بھی سنت کے ساتھ اپنی سربلندی نہیں کرتا یا اس کے علَم کو بلند نہیں کرتا ہے مگر وہ ضرور اس عظیم امام کی طرف منسوب ہو کر فخر اور عزت محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے:

”اعز الله الاسلام بأبي بكر يوم الردّة وبأحمد يوم المحنة“

(اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے جب لوگ مرتد ہو رہے تھے اس دن، اور (خلق قرآن والی) آزمائش کے دن امام احمد رحمہ اللہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بخشی)۔

رحم الله و جزاه احسن الجزاء۔

پس قرآن اور سنت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بلاشبہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کلام ہے جس کے ذریعے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے، اور جسے وحی کیا جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف، اور

جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے پہنچایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کلام فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے کلام فرماتا ہے، اور اس کا کلام ایسا ہے کہ بڑے بڑے بحر بھی فنا ہو جائیں مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ (الکھف:109)

(آپ کہیے اگر سمندر بھی سیاہی بن جائیں میرے ربّ کے کلمات کے لیے تو وہ سمندر ختم ہو جائیں قبل اس کے کہ میرے ربّ کے کلمات ختم ہوں، اگرچہ ہم اس جیسی اور سیاہی بھی کیوں نہ لے آئیں)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے اس کی وہ کتابیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی اصلاح کے لیے نازل فرمائیں، ان کی ہدایت کے لیے اور انہیں گمراہی سے بچانے کے لیے، اور ایسے ایسے مقاصد اور غایات کے لیے جو حکمت پر مبنی ہیں جن کی حکمت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے مخلوق کے ساتھ، اور اس کی حکمت ہے، اور اس کی ربوبیت کے تقاضوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اپنے رسولوں کی طرف، ان کی طرف کتابیں نازل کیں جن کے ذریعے سے لوگوں کی زندگی میں اصلاح ہو اور انہیں استقامت حاصل ہو اور ان کی زندگی صحیح ڈگر پر چلنے لگے، اور ان کتابوں پر جو وحی کے ذریعے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نازل کیں ایمان لا کر ان کے تقاضے پر عمل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخلے کی

اور ربّ العالمین کی رضا حاصل کرنے کی ضمانت بنایا، اور جو اس کی مخالفت کرتا ہے اس سے عنادر کھتا ہے تو اس پر حجت قائم کرنے کا انہیں ذریعہ بنایا، لہذا وہ کافروں اور متکبروں کی جو سزا ہے جزا ہے اس کا مستحق قرار پاتا ہے اور وہ ہے جہنم میں ہمیشہ رہنا، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے کلام فرمایا ہے اور جو کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں جسے اس نے اپنے بندوں کی جانب وحی فرمایا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا باقاعدہ جس طرح کلام کیا جاتا ہے، اسی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شب معراج میں کلام فرمایا اور قیامت کے دن جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ منادی فرمائے گا:

﴿اَيْنَ شُرَكَآءِيَ﴾ (النحل:27)

(کہاں ہیں میرے شریک؟)

یا فرمایا:

﴿وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى﴾ (الشعراء:10)

(اور یاد کریں جب ندا دی آپ کے ربّ نے موسیٰ کو)۔

چنانچہ جو ندا ہے وہ ہوتی ہی نہیں مگر حروف اور آواز کے ساتھ مگر جس طرح اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی آواز، نہ ہی حروف اور نہ ہی کلام مخلوقات کے کلام کے مشابہ ہیں۔ مگر ہم ان پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یقیناً کلام فرماتا ہے۔ دراصل کلام کرنا ہے تو صفتِ کمال ہے چنانچہ جو جمادات ہیں یا حیوانات ہیں وہ کلام نہیں کرتے اسی لیے وہ انسانوں سے جو کہ کلام کرتے ہیں کم تر ہیں، اور انسان پر اللہ تعالیٰ نے یہ فضل و کرم کیا ہے اور اسے کامل بنایا ہے چنانچہ اس کے کمال میں سے اور اکمل ترین کمالات میں سے یہ کلام ہے جو وہ کرتا ہے جس کے ذریعے سے وہ تمام مخلوقات پر ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو، فرشتوں کو اور جنات کو جو عقل رکھتے ہیں انہیں یہ قدرت دی ہے کہ وہ کلام کر سکتے ہیں چنانچہ جو صفت کلام ہے یہ تو کمال کی صفات میں سے ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ عزوجل کامل ہے، اپنے کمال میں سے جسے چاہتا ہے عطاء فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے اپنی مخلوقات میں سے۔ چنانچہ یہ کلام بھی صفت کمال ہے اور علم بھی صفت کمال ہے اسی طرح سے قدرت بھی صفت کمال ہے، چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کلام، علم یا قدرت کی صفت کو سلب کر لیتے ہیں تو یہ تنقیص ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شان میں غایت درجے کی تنقیص۔ جب کفار قریش میں سے ایک نے یہ کہا:

﴿إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ (المدثر:25)

(یہ تو نہیں ہے مگر ایک انسان کا کلام ہی)

تواللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا:

﴿سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾(المدثر:26)

(میں عنقریب اسے سقر (جہنم) میں داخل کروں گا)

مکمل آیات اس طرح سے ہیں کہ:

﴿إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ، فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ نَظَرَ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ، ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ، فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ، إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ، سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾(المدثر:18-26)

(اس شخص نے غور و فکر کیا اور ایک بات بنالی و ٹھہرالی، وہ مارا جائے اس نے کیسی بات بنانی و ٹھہرالی، پھر اس کا بیڑا غرق ہو اس نے کیسی بات بنالی و ٹھہرالی، پھر اس نے دیکھا، پھر اس نے تیوری چڑھائی اور منہ بسورا، پھر وہ منہ پھیر کر چلا گیا تکبر کرتا ہوا، اس نے یہ کہا کہ یہ تو نہیں ہے مگر جادو جو نقل کیا جاتا ہے ایک سے دوسرے کو، یہ تو نہیں ہے مگر ایک انسان کا کلام ہی، تو میں عنقریب اسے سقر (جہنم) میں داخل کروں گا)

بشر (انسان) کا قول تو مخلوق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ شدید قسم کی وعید سنائی اس طعن پر کہ قرآن جادو ہے یا یہ قول البشر (انسان کا قول) ہے۔ کیونکہ یہ تنقیص ہے اور طعن ہے اس قرآن پر جو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا

ہے،اور یہ مخلوق نہیں ہے۔ کیوں کہ بلاشبہ جو معتزلہ، جہمیہ، باطنیہ، روافض اور خوارج ہیں یہ جتنے گمراہ فرقے ہیں ان کے مقالات اگرچہ ایک دوسرے سے تھوڑے بہت مختلف ہیں مگر نتیجہ سب کے یہاں ایک ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرماتا یہاں تک کہ جو اشاعرہ ہیں وہ بھی معتزلہ سے متاثر ہیں اس بارے میں۔ان کے جو شروع کے لوگ تھے وہ یہ کہا کرتے تھے کہ : کلام ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہی قائم ہے، لیکن یہ جو قرآن ہے اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو حکایتاً بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسی صفت ہے جو قائم ہے اس کی ذات کے ساتھ یعنی حروف اور آواز کے ساتھ نہیں، لہذا اللہ تعالیٰ (فعلی طور پر) کلام نہیں فرماتا۔

چنانچہ یہ جو قرآن ہے اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے ! ہم اللہ تعالیٰ سے یہ عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اور افسوس کی بات ہے کہ جو بعد کے اشاعرہ ہیں وہ تو صریح طور پر یہ کہتے ہیں کہ کہ بلاشبہ قرآن مخلوق ہے۔

(چنانچہ ہمارا عقیدہ ہونا چاہیے کہ)قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں،اور اللہ تعالیٰ کا کلام جتنا بھی ہے وہ مخلوق نہیں ہے۔اور یہ جو لوگ ہیں جب یہ فتنہ شروع ہوا تو یہ کہتے تھے کہ : اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو تخلیق کیا ہے بغیر محل کے۔وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ تو ہے لیکن جس طرح سے آپ کہتے ہیں کہ ''ناقة الله''(اللہ تعالیٰ کی اونٹنی) یا بیت اللہ یعنی جو اضافت ونسبت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف وہ مخلوق کی خالق کی طرف اضافت ونسبت ہے، اور یہ ان کی تلبیس اور

کذب میں سے ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور وہ مخلوق نہیں ہے''۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہ کافی نہیں ہے۔ کیوں؟ کیوں کہ جو جہمی اور معتزلی ہیں جو اس بات کے انکاری تھے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے وہ بھی کہتے تھے کہ: وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن اس سے ان کی نیت یا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ مخلوق ہے جیسا کہ ہم ناقۃ اللہ یا بیت اللہ کہتے ہیں چنانچہ بیت اللہ مخلوق ہے ناقۃ اللہ مخلوق ہے، کیا ایسا نہیں؟ (بالکل اسی طرح ہے)۔ چنانچہ یہ اس باب میں سے ہیں یعنی اس طریقے سے الفاظ کے ساتھ کھیلتے ہیں یہ لوگ۔ تو وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ ہے لیکن مخلوق ہے، لہذا آپ اگر یہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ ہے تو پھر ساتھ میں یہ کہنا بھی آپ پر لازم اور ضروری ہے کہ: اور وہ مخلوق نہیں ہے، کیوں کہ اگر آپ یہ کہیں کہ کلام اللہ ہے اور پھر خاموش ہو جائیں اور ''وہ مخلوق نہیں ہے'' نہیں کہیں تو آپ نے گویا کہ معتزلی اور جہمی کی موافقت کی اس بارے میں کیوں کہ وہ بھی تو یہی کہتا ہے کہ کلام اللہ ہے لیکن وہ پھر اس کو یوں مکمل کرتا ہے کہ بے شک وہ مخلوق ہے اور آپ اس کی تکمیل یوں کرتے ہیں کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔

آگے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ کہنے میں آپ کوئی جھجک محسوس نہ کریں کہ وہ مخلوق نہیں ہے"۔

فرمایا:

"کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے جدا نہیں، اور اس میں سے کوئی بھی چیز مخلوق نہیں"۔

یعنی یہ جو صفتِ کلام ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور ساتھ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب چاہتا ہے اور اگر چاہتا ہے کلام فرماتا ہے، تو صفتِ کلام "اللہ کا کلام اس سے جدا نہیں" اس میں رد ہے معتزلہ کا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے محل کے خلق کیا۔

چنانچہ جو کلام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس طرح قدرت صفت ہے، جس طرح ارادہ اللہ تعالیٰ کی ازلی اور اس کی ذات کے ساتھ قائم صفات میں سے ہیں، اور یہ صفت کمال ہے۔ جس طرح بے شک اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جب چاہتا ہے اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب چاہتا ہے کلام فرماتا ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (یس: 82)

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کا امر محض یہ قول ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے)

چنانچہ جو صفت کلام ہے وہ صفت ذات ہے ساتھ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے کلام کے ذریعے

کلام فرماتا ہے، وحی فرماتا ہے، پیدا فرماتا ہے اور رزق دیتا ہے:

﴿إِنَّمَآ أَمۡرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيۡـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ﴾ (یس:82)

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کا امر محض یہ قول ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے)۔

آگے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ اس سے الگ نہیں جدا نہیں''۔

یعنی جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے البتہ یہ جو قرآن ہے اسے سنا جاتا ہے اس کے کلام کو سنا جاتا ہے۔ آپ نے سمجھ لی یہ بات اچھے طریقے سے؟

امام صاحب کا یہ فرمانا کہ:

''وہ اس سے جدا نہیں''۔

اس سے کیا مقصود ہے؟ اس سے مقصود یہ ہے کہ بلاشبہ یہ جو صفت ہے یہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس میں رد ہے معتزلہ کا جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا بغیر محل کے۔

آگے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس میں سے کوئی بھی چیز مخلوق نہیں ہے، آپ بچیں ایسوں سے مناظرہ کرنے سے جنہوں نے اس بارے میں نئی نئی باتیں ایجاد کر دی ہیں''۔

دیکھیں کس طریقے سے امام احمد رحمہ اللہ تاکید پر تاکید کیے جاتے ہیں (ایسوں سے مناظرہ نہ کرنے کی) لیکن یہاں پر خود امام احمد رحمہ اللہ نے بھی جب انتہائی ضرورت پڑی تو مناظرہ کیا، جب آپ کو مجبور کیا گیا تو ابن ابی دُوَاد اور اس کے علاوہ دوسروں سے آپ نے مناظرہ کیا، یعنی ضرورت وحاجت کے تحت مناظرہ کیا جائے گا اور ہر اس شخص کے لیے بھی جو دعوت اور حق کو سننا اور قبول کرنا چاہتا ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس نے ''اللفظ'' کہا یا اس کے علاوہ دوسری چیزیں کہیں، یا جس نے توقف اختیار کیا اور کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ مخلوق ہے یا مخلوق نہیں ہے''۔

یہاں آپ دیکھیں کہ خلق قرآن کا جو قول ہے جو لوگوں نے اختیار کیا تھا جب اس کا فتنہ آیا، اور اہل سنۃ کے درمیان اور جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ کے درمیان افتراق اور واضح فرق ہو گیا تو پھر بعض ایسے لوگ پیدا ہوئے جو سنت کی طرف منسوب ہوتے تھے مگر اس طرح کا کلام کرنے لگے کہ: ''قرآن تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن میرے جو لفظ ہیں جب میں قرآن پڑھ رہا ہوتا ہوں تو یہ تلفظ مخلوق ہے''۔ تو امام احمد رحمہ اللہ نے اس کا بھی انکار ورد کیا کیوں کہ جب آپ یہ کہتے ہیں ''میرے الفاظ جو قرآن کے ساتھ میں پڑھتا ہوں تلفظ مخلوق ہے'' تو یہ کلمہ ''لفظی''

(میرے الفاظ و تلفظ) مجمل کلمہ ہے، اور اس میں احتمال ہے کہ اس سے مراد ملفوظ یعنی خود القرآن ہو، یا پھر ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لفظ ہوں جس کے ذریعے سے متکلم کلام کرتا ہے، انسان تلفظ کرتا ہے۔

جب اس میں باطل کا بھی احتمال ہے موجود ہے تو پھر جہمیہ، معتزلہ اور ان جیسے دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ: قرآن مخلوق ہے۔ تو اس کو وہ موقع غنیمت جانیں گے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے چنانچہ وہ ''لفظی بالقرآن مخلوق'' کہتے ہوئے اس سے مقصود ملفوظ یعنی خود اللہ تعالیٰ کے کلام کو مراد لینے لگیں گے۔

چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

''من قال لفظی بالقرآن مخلوق فهو مبتدع''

(جس نے یہ کہا کہ میرا قرآن کا تلفظ مخلوق ہے تو وہ بھی بدعتی ہے)۔

اور فرمایا:

''جس نے توقف اختیار کیا اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ مخلوق ہے یا مخلوق نہیں ہے، یہ تو بس اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، تو یہ شخص بھی صاحب بدعت ہے''۔

آپ پر لازم ہے کہ کہیں: ''اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے''۔ یہ نہیں کہیں کہ: ''میرا

قرآن کا تلفظ کرنا مخلوق ہے'' کیوں کہ یہ وسیلہ ہے اہل باطل کا ایسی چیزوں کو لوگوں میں ڈالنے کا جس کے ذریعے سے وہ اپنے اس باطل قول کی طرف رسائی حاصل کرتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ اسی طریقے سے توقف بھی اختیار نہ کریں بلکہ مکمل جزم اور یقین کے ساتھ آپ کہیں کہ بلاشبہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ جیسا کہ تقاضہ ہے قرآن و سنت کا اور جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین تھے اس کا کہ بلاشبہ قرآن کلام اللہ ہے، مخلوق نہیں۔

اگر کوئی شخص اس میں توقف اختیار کرتا ہے یا اس بارے میں شک میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ بدعت وجہمیت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ فتنہ شروع ہوا اور اس کی آگ نے شدت پکڑی تو اس قسم کے الفاظ آنے لگے اور اس قسم کی بدعات اس میں در آئیں۔ پس ان میں سے بعض وہ تھے جو توقف اختیار کرتے تھے، اور بعض یہ کہتے کہ: ''لفظی بالقرآن مخلوق'' حالانکہ یہ دونوں ہی اقوال گمراہی ہیں۔

لازمی ہے کہ ہم صراحت کے ساتھ وضاحت کے ساتھ یہ بات کریں اور یہ کہیں کہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے اور بات ختم، یہ نہیں کہیں کہ: ''لفظی بالقرآن مخلوق'' نہ توقف اختیار کریں، نہ توقف جائز ہے اور نہ ہی یہ کہنا کہ: ''لفظی بالقرآن مخلوق''۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو توقف اختیار کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ: مجھے نہیں معلوم مخلوق ہے یا مخلوق نہیں ہے''۔

ماشاءاللہ یہ شخص تو اپنے زعم میں بہت ورع وپرہیزگاری ظاہر کر رہا ہے! تو کچھ لوگوں نے اس طرح کہا تھا مگر امام احمد رحمہ اللہ نے ان کو بھی ساقط کر دیا اور اہل سنت نے بھی انہیں ساقط کر دیا اور ان کی تبدیع کی (ان کو بدعتی قرار دیا)۔ان میں یعقوب ابن شیبہ بھی تھے جو کہ آئمہ حدیث میں سے تھے لیکن جب انہوں نے قرآن کے تعلق سے توقف اختیار کیا کہ: معلوم نہیں مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے تو امام احمد رحمہ اللہ نے ان تک کے بارے میں فرمایا کہ: یہ بدعتی اور صاحب ہوی ہیں۔ خلیفہ نے آپ سے مشورہ کیا کہ انہیں منصبِ قضاء دیا جائے یا شاید جو محکمہ ہے قضاء (عدالت) کا اس کا رئیس (چیف جسٹس) بنا دیا جائے تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمادیا کہ: وہ بدعتی اور صاحب ہوی ہیں۔

[تاریخ بغداد 281/14، سیر اعلام النبلاء للذھبی 478/12]

اگرچہ آپ لوگوں کو یہ بات سن کر حیرت ہوگی۔

اللہ تعالی کی قسم! امام احمد رحمہ اللہ تو یہود و نصاریٰ کو ملازم رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں بجائے اس کے کہ اہل بدعت کو ملازم رکھا جائے ان کی خطرناکی کی وجہ سے، کیوں کہ وہ معاشرے کو اندر سے ہی کاٹتے ہیں اور معاشرے میں فساد برپا کرتے ہیں، اور کیا اہل اسلام پر بدعتیوں سے بھی زیادہ کوئی نقصان دہ ہو سکتا ہے! یہی تو وہ لوگ ہیں جو یہود و نصاریٰ کے قدموں تلے مسلمانوں کو ذلت کے گڑھے میں گروا دیتے ہیں، امت پر ہر بلاء و مصیبت ان ہی اہل بدعت کی وجہ سے

دارِ آخرت میں رویئت باری تعالیٰ ہو گی اس پر ایمان لانا

پڑی ہے۔ یہاں تک کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

’’جب دولتِ امویہ بدعت میں مبتلا ہوئی اور اس کا سربراہ مروان الحمار جب جعد بن درہم کے قول میں مبتلا ہوا کہ : اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو خلیل نہیں بنایا اور نہ ہی سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے کلام فرمایا۔ تو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ سبب بنا اس سلطنت کے سقوط کا‘‘۔

[مجموع الفتاویٰ 13/177-184]

یہ جو بدعت تھی وہ آج کے دور میں جو جو بدعات لوگوں نے ایجاد کی ہیں اس کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں تھی۔

امام احمد امام اہل السنۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’یہ شخص بھی بدعتی ہے اسی کی طرح جو کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے، بلکہ صرف اور صرف یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ہرگز بھی مخلوق نہیں ہے‘‘۔

جو شخص توقف اختیار کرتا ہے یا ’’لفظی بالقرآن مخلوق‘‘ کہتا ہے تو وہ ان ہی کی اصناف اور ان ہی کے دم چھلوں میں سے ہے۔

بروز قیامت رویئت باری تعالی پر ایمان لانا جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح احادیث میں روایت کیا جاتا ہے۔

بے شک نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کا دیدار فرمایا تھا، اور وہ آپ ﷺ سے صحیح طور سے مأثور (مروی) ہے۔ قتادہ نے روایت فرمائی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما سے انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔

اور الحکم بن ابان نے روایت فرمائی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما سے انہوں نے روایت کی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔

اور اسی طرح علی بن زید نے یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہما سے انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی۔

ہمارے نزدیک یہ حدیث اپنے اسی ظاہری معنی میں ہی سمجھی جائے گی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے۔ اس بارے میں کلام کرنا بدعت ہے، لیکن ہم جو اس کا ظاہر معنی بیان ہوا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں، اور اس بارے میں کسی سے مناظرہ بھی نہیں کرتے[7]۔

---

[7] امام رحمہ اللہ کا یہ فرمانا:

"بروز قیامت رویئت باری تعالی پر ایمان لانا جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح احادیث میں

روایت کیا جاتا ہے"۔

رؤیت باری تعالی پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

"بے شک نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کا دیدار فرمایا تھا، اور وہ آپ ﷺ سے صحیح طور سے ماثور (مروی) ہے۔ قتادہ نے روایت فرمائی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما سے انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ اور الحکم بن ابان نے روایت فرمائی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما سے انہوں نے روایت کی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ اور اسی طرح علی بن زید نے یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہما سے انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی۔ ہمارے نزدیک یہ حدیث اپنے اسی ظاہری معنی میں ہی سمجھی جائے گی"۔

یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ: کیا رسول اکرم ﷺ نے اس رات کو جب آپ ﷺ کو اسراء و معراج کرائی گئی اپنے ربّ عزوجل کو دیکھا یا نہیں دیکھا؟

تو بعض لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کلام سے اور امام احمد رحمہ اللہ کا جو کلام ہے اس سے چمٹتے ہیں اور وہ ان دونوں باتوں سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ربّ کو لیلۃ الاسراء (شب معراج) میں اپنی اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا تھا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "امام احمد رحمہ اللہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو

کلام ہے یہ دونوں طریقوں سے وارد ہوا ہے مطلق بھی اور مقید بھی''۔

[مجموع الفتاوى (335/2)]

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مطلقاً بھی کہا ہے کہ: ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا''، اور مقید بھی آیا ہے آپ ہی سے روایت کرتے ہوئے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل سے دیکھا ہے''۔ اسی طریقے سے امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا کلام مطلق بھی آیا ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا'' اور آپ ہی سے ایسا کلام بھی ثابت ہے کہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔

جبکہ صحیح بات وہی ہے جو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمائی کہ: ''یہ بات نہ کتاب اللہ سے اور نہ ہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ کو شب معراج میں دیکھا''۔

[مجموع الفتاوى (509/6-510)]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو کلام ہے وہ بیک وقت موقوف ہے اور ساتھ میں مقید بھی ہے۔ اور جن نصوص کے ساتھ اس کو مقید کیا گیا ہے وہ زیادہ صحیح ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا دو مرتبہ:

''بِفُؤَادِهِ''

(اپنے دل سے)۔

[رواه مسلم، كتاب الإيمان – باب معنى قول الله جل جلاله: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى﴾، وهل رأى النبي ﷺ ربه ليلة الإسراء؟ حديث رقم (176)]

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ (النجم:11)

(جو کچھ آپ ﷺ نے دیکھا دل نے اسے جھوٹ نہیں کہا)

اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى﴾ (النجم:13)

(اور آپ نے دوبارہ بھی اسے دیکھا یا نازل ہوتے ہوئے دیکھا)

یعنی دو مرتبہ دیکھا۔

اسی بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا گیا جیسا کہ امام مسروق رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ:

''ثَلَاثٌ مَنْ حَدَّثَكَ بِهِنَّ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ''

(تین ایسی باتیں ہیں جو تم سے کرے تو اس نے گویا کہ اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا)

اور ان ہی میں سے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ کوئی یہ کہے کہ :

''إِنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ''

(جس نے یہ کہا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے ربّ کو دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا)۔

تو امام مسروق رحمہ اللہ نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے یہ کہا کہ :

''أَمْهِلِينِي يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ''

اے اُم المؤمنین ! ذرا سا ٹھہریئے)

کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ اور ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى﴾؟

تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس کا یہ جواب دیا کہ :

''أَنَا أَوَّلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هَذَا''

(میں اس امت میں وہ سب سے پہلی ہوں کہ جس نے اس سے متعلق (یعنی ان ہی آیتوں کی

تفسیر سے متعلق) رسول اکرم ﷺ سے خود دریافت کیا)

آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ''

(دراصل وہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے)

جنہیں رسول اکرم ﷺ نے دیکھا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اصلی شکل وصورت اور ہیئت میں جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا ہے میں نے دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک تو آسمان سے اترتے ہوئے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام

''سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ''

(آپ کی جسامت اور پَرا تنے عظیم تھے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کی ہر چیز کو ڈھک دیا تھا)۔

یعنی اس ہیئت میں جس میں اللہ عزوجل نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تخلیق فرمایا نہیں دیکھا رسول اکرم ﷺ نے مگر صرف دو مرتبہ اور یہ دیکھا کہ آسمان اور زمین کے درمیان جتنا بھی فاصلہ ہے آپ کی جسامت اتنی عظیم الخلقت تھی کہ اسے ڈھک دیا تھا۔ اور یہ جو آیت ہے اس سے یہ مراد ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔

[رواه مسلم، كتاب الإيمان – باب معنى قول الله جل جلاله: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى﴾، وهل رأى النبي ﷺ ربه ليلة الإسراء؟ حديث رقم (177)]

اسی طریقے سے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا جس طرح سے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے اوپر اس حدیث کا بھی اضافہ کر لیجیے کہ اس میں کیا فرمایا کہ جب خود ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ﷺ نے اپنے ربّ کو دیکھا؟ تو رسول اکرم ﷺ نے یہی فرمایا:

''نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ؟!''

(وہ تو نور ہی نور ہے میں کیوں کر اور میں بھلا کیسے اسے دیکھ سکتا ہوں؟!)۔

یعنی یہ بہت بعید ہے، بعید از نظر ہے۔

یہ جو دونوں اسناد ذکر کی گئی ہیں جسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے ان میں ضعف ہے کہ قتادہ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح الحکم أبان عکرمہ سے اور وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اور علی بن زید، یوسف ابن مہران سے وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

چنانچہ پہلی سند میں الحکم ابن أبان جو ہیں یہ صدوق ہیں لیکن آپ کے بہت سے اوہام ہیں۔

[ان کے متعلق حافظ ابن حجر نے ''التقریب'' میں فرمایا: ''صدوق عابد له أوهام'']

اور جو دوسری سند ہے اس میں بھی علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

[ان کے متعلق حافظ ابن حجر نے ''التقریب'' میں فرمایا: ''ضعیف''، اور شیخ البانی رحمہ اللہ اپنے ''السلسلۃ الصحیحۃ'' حدیث رقم 168 کے تحت فرماتے ہیں: ''صواب بات یہی ہے کہ علماء کا اس کے بارے میں اختلاف ہے اور راجح بات یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی جزم کے ساتھ ''التقریب'' میں ذکر کیا ہے، لیکن ان کا جو ضعف ہے وہ سوء الحفظ کی وجہ سے ہے اپنے بارے میں کسی تہمت کی وجہ سے نہیں، اور ان جیسوں کی حدیث حسن ہوا کرتی ہے بلکہ صحیح بھی بن جاتی ہے اگر اس کی متابعات مل جائیں]

اور اسی میں یوسف بن مہران مجہول ہیں، جس سے علی بن زید بن جدعان کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی، تو آپ لوگوں نے یہ جان لیا؟ لہذا یہ دونوں موقوف ہیں۔

[اس کے تعلق سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''التقریب'' میں فرماتے ہیں کہ: ''ان سے روایت نہیں کی مگر صرف ابن جدعان نے، اور وہ لین الحدیث ہیں]

اور ایک قول جو کہ موقوف ہے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اگر اس کا تعارض ہو جائے ایک مرفوع حدیث سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے تو جب کس کو مقدم رکھیں گے؟ (ظاہر

ہے مرفوع کو ترجیح دی جائے گی)

یہ بھی اس طور پر کہ جب ہم نے یہ بالفرض مان لیا کہ ان کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے ربّ سبحانہ و تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، چناچہ ہم اس بات کو بالفرض کہہ رہے ہیں ورنہ صحیح بات تو یہ ہے کہ ان سے بھی ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ یہ مطلق ہے، اور اس کے اطلاق کو مقید کرتی ہے صحیح مسلم کی حدیث اور خود دو طریقوں سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ:

''بلاشبہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے ربّ کو اپنے دل سے دیکھا''۔

چنانچہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی اس رؤیت والی روایت کو جو مطلق ہے مقید کرتے ہیں دل سے دیکھنے کے ساتھ، اور یہی بات شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کے متعلق بھی فرمائی کہ: وہ بھی مطلق اور مقید دونوں طرح سے بیان فرماتے ہیں۔

تو صواب بات یہی مقید ہونا ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں۔ کیونکہ جو اہل اہواء ہیں وہ لوگوں کے درمیان اصول اور عقائد تک میں اختلافات کو رواج دیتے پھرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ: دیکھو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی عقائد میں اختلاف تھا۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس بات کی نفی کی تھی وہ بصر یعنی اپنی آنکھوں سے رؤیت کی

نفی کی تھی، اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جس بات کو ثابت کیا تھا وہ آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے رؤیت کے تعلق سے اس کا اثبات کیا تھا، تو پھر اختلاف کہاں رہا؟! اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے آپ اس کو اچھے طریقے سے سمجھ لیں۔

پھر آخر میں اپنے کلام کو اس طور پر ختم کیا امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے:

"یہ حدیث ہمارے نزدیک اپنے ظاہر پر ہی قائم رہے گی"۔

اس عبارت سے بھی یہ مفہوم سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ اسی کے قائل ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے ربّ عزوجل کو دیکھا، اسی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بنیاد پر حالانکہ آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو حدیث ہے اس میں کس قسم کا کلام ہے اور یہ کہ وہ صحت کے درجے تک نہیں پہنچتی، بلکہ کبھی تو حسن کے درجے پر بھی نہیں پہنچتی، ساتھ میں یہ یہ مقید بھی ہے صحیح حدیث کے ذریعے، پاس آپ کے اس مطلق کلام کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ بارک اللہ فیکم۔ تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ بلاشبہ کوئی اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا۔

لیکن جو متأخرین ہیں تو ان میں سے بعض امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس کلام سے متاثر ہوئے اور وہ یہ گمان کرنے لگے کہ آپ رحمہ اللہ یہی کہتے ہیں کہ: سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جبکہ یہ فہم غلطی پر مبنی ہے کیوں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

بروز قیامت قائم ہونے والے میزان پر ایمان لانا

ہم یوم قیامت کے (قائم ہونے والے) میزان پر ایمان لاتے ہیں، جیسا کہ (حدیث میں) آیا ہے:

''یوزن العبد یوم القیامة فلا یزن جناح بعوضة''[8]

(ایک بندہ بروز قیامت تولا جائے گا تو اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا)۔

اور بندوں کے اعمال بھی تولے جائیں گے جیسا کہ اثر میں آیا ہے، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں، اور ان سے اعراض برتتے ہیں جو اس کا انکار کرے، اور اس سے اس

بھی رؤیت کو قلب (دل) کے ساتھ مقید فرماتے تھے۔

[8] البخاري: كتاب التفسير, باب (أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ) [الكهف: 105]، حديث رقم (4729)۔ مسلم: كتاب صفة القيامة والجنة والنار، حديث رقم (2785) بخاری کے الفاظ ہیں: ''إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، وَقَالَ: اقْرَءُوا ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾'' (بروز قیامت ایک بہت ہی بڑا موٹا تازہ شخص آئے گا مگر اللہ تعالی کے نزدیک اس کا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ ہوگا، پھر فرمایا یہ آیت پڑھو: ان کے لیے ہم بروز قیامت وزن ہی قائم نہیں کریں گے)۔

پر مجادلہ بھی نہیں کرتے[9]۔

---

[9] امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم یوم قیامت کے (قائم ہونے والے) میزان پر ایمان لاتے ہیں، جیسا کہ (حدیث میں) آیا ہے: ایک بندہ بروز قیامت تولا جائے گا تو اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا''۔

جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں: ''بروز قیامت ایک بہت ہی بڑا موٹا تازہ شخص لایا جائے گا مگر اللہ تعالی کے نزدیک اس کا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ ہوگا''۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کا بھی وزن ہوگا۔ اور یہ بات بھی ثابت شدہ حدیث میں وارد ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک پیلو کے درخت پر چڑھے تھے، اور آپ بہت پتلی پنڈلیوں والے تھے تو بعض لوگوں نے تعجب کیا آپ کی ان پتلی پنڈلیوں پر، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَا تَعْجَبُوا مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ فَإِنَّهُمَا أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ جَبَلِ أُحُدٍ''
(ان کی پتلی پیڈلیوں پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں ہے (یا حقیر نہ سمجھو انہیں) کیونکہ بے شک (کل بروز قیامت) میزان میں یہ اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی)۔

[رواه أحمد في مسند عبدالله بن مسعود، حديث رقم (3991)]

اس میں دلیل ہے کہ اشخاص کا بھی وزن ہو گا، اور جہاں تک اعمال کے وزن کا تعلق ہے تو اس بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے کہ بلاشبہ وہ وزن کیے جائیں گے۔

البتہ جو معتزلہ، جہمیہ ہیں اور دیگر گمراہ لوگ ہیں وہ اس حسی میزان کا انکار کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اس سے مراد عدل ہے۔ یہ معتزلہ اور جہمیہ اور جو بھی ان کی موافقت کرتے ہیں گمراہ لوگوں میں سے ان کا قول ہے کیوں کہ وہ میزان کا انکار کرتے ہیں۔

اور میزان ایک ترازو ہو گا جس کے دو پلڑے بھی ہوں گے جس میں اعمال کا وزن کیا جائے گا، اور اس کے دلائل میں سے ''حدیث السجلات'' (دفاتر یا رجسٹروں والی حدیث) ہے جو ابھی ذکر ہو گی۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اسے خبر دیں گے اور اس شخص پر اس کے اعمال پیش کریں گے تو وہ ننانوے (99) گناہوں کے دفتر زمین سے آسمان تک وہ بھر دیں گے، پھر اس سے کہا جائے گا:

''هَلْ لَكَ عَمَلٌ؟ هَلْ لَكَ مِّنْ خَيْرٍ؟ هَلْ لَكَ مِّنْ عَمَلٍ؟ فَيَقُولُ، لَا يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: بَلْ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةٌ، وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا، فَتُوضَعُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فِي كِفَّةٍ وَتُوضَعُ هَذِهِ السِّجِلَّاتُ التِّسْعَةُ وَالتِسْعُونَ سِجِلٍّ فِي كِفَّةٍ، فَتَرْجِحُ بِهِمَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ لِأَنَّهُ لَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللهِ شَيْءٌ''۔

(کیا تیرا کوئی نیک عمل ہے؟ کیا تیری کوئی خیر بھلائی ہے؟ کیا تیرے عمل میں سے کچھ ہے؟ تو

وہ کہے گا کہ: اے میرے ربّ! میرے پاس کچھ نہیں۔ اللہ عزوجل فرمائیں گے: بلکہ ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی موجود ہے، اور تمہارا ربّ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔ چناچہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ (جس پر وہ ایمان لایا تھا) کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور جو دوسرے گناہوں کے ننانوے دفاتر ہیں انہیں دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا، تو یہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ان تمام پر بھاری پڑ جائے گا کیوں کہ بلاشبہ اللہ عزوجل کے نام کے آگے کوئی بھی چیز بھاری نہیں پڑ سکتی)۔

[رواه الترمذي، كتاب الإيمان – باب ماجاء فيمن يموت وهو يشهد أن لا إله إلا الله،حديث رقم (2639)، وأبن ماجه، كتاب الزهد، باب ما يرجى من رحمة الله يوم القيامة، حديث رقم (4300)]

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ:

''لَوْ وُضِعَتِ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَالْأَرْضِينَ السَّبْعُ وَمَنْ فِيهِنَّ فِي كِفَّةٍ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فِي كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ''

(اگر ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے اسے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ان سب پر بھاری پڑ جائے گا)۔

[رواه أحمد: مسند عبدالله بن عمرو، حديث رقم (6583)]

اصل شاہد اس میں یہ ہے کہ میزان ثابت ہے کتاب و سنت سے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بھی فرمان ہے کہ:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا، وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ (الانبیاء:47)

(ہم عدل وانصاف کے ترازو قائم کریں قیامت کے دن، پس کسی نفس پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہو گا تو اسے ہم لے کر آئیں گے، اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں)

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ (المؤمنون:103)

(اور جس کے ترازو کے پلڑے اس دن ہلکے ہو جائیں گے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)

اور فرمایا:

﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ، فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ، وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ،

فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ﴾ (القارعۃ:6-9)

(البتہ جس کے ترازو کے پلٹے اس دن بھاری ہو جائیں گے تو وہ بہت ہی خوش و خرم اور من بھاتی زندگی میں ہو گا،اور جن کے ترازو کے پلٹے ہلکے پڑ جائیں گے تو اس کی ماں (ٹھکانہ) ''ہاویہ'' ہے)

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ جو سید قطب ہے اللہ کی قسم! وہ اس میزان کا انکار کرتا ہے،اسی طرح سے وہ رؤیت باری تعالی کا بھی منکر ہے، اور اپنے بہت سارے عقائد میں وہ جہمیہ اور معتزلہ کے ساتھ ہے،واللہ! یہ چیز موجود ہے۔ہم یہ اس لیے بیان کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اس کی کتابوں سے کسی دھوکے یا فریب میں آجائیں، کیوں کہ بلاشبہ واللہ میرے بھائیو! اس کی جو کتابیں ہیں گمراہیوں سے بھری ہوئی ہیں۔اللہ تعالی کی قسم! تمام اساسوں کی اساس، اور اصولوں کے اصول میں سید قطب مخبوط الحواس اور ضیاع کاری کا شکار ہے۔اور بہت سارے ہمارے نوجوان عنقریب ضائع ہو جائیں گے یا ضائع ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو برباد کر دیتے ہیں اس شخص کی تقدیس اور احترام کی وجہ سے،اور اس کو وہ منزلت اور درجے دے کر جو اس کا نہیں ہے،اس کا تو یہ حال ہے کہ کوئی بھی معتزلی ہو، جہمی ہو اس کی کوئی بھی بدعت ہو تو دوسرے ہی پل وہ ان سے مشارکت شروع کر دیتا ہے اپنی کتابوں میں، بلکہ انہیں مزید وضاحت کے ساتھ جلی طور پر سامنے لا کر لوگوں کے پیش کرتا ہے جو کہ انتہائی افسوس کی بات ہے۔چنانچہ وہ میزان کا بھی انکار کرتا ہے، عرش کا بھی انکار کرتا ہے اور بہت ساری چیزوں کا

اللہ تعالیٰ کا بروز قیامت اپنے بندوں سے ہم کلام ہونا

اور بے شک اللہ تعالیٰ یوم قیامت اپنے بندوں سے اس طرح ہم کلام ہو گا کہ ان کے اور اس کے

انکار کرتا ہے۔ مصیبتوں پر مصیبتیں ہیں واللہ!

چناچہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اور قیامت کے دن جو میزان قائم کیا جائے گا اس پر ایمان لانا''۔

کیوں کہ جو معتزلہ ہیں اور جہمیہ ہیں اور اہل ضلالت و گمراہی ہیں اور باطنیہ وغیرہ وہ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔

آگے فرمایا:

''ایمان لانا ان پر، تصدیق کرنا اور اس شخص سے منہ موڑ لینا جو اس کا رد کرتا ہے اور اس سے جدال بھی نہیں کرنا''۔

البتہ مجادلے یا مناظرے کے تعلق سے جو تفصیل ہے وہ میں نے پہلے بھی آپ کے سامنے ذکر کر دی ہے۔

درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا،اس پر ایمان لانااور اس کی تصدیق کرنا[10]۔

---

10 شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ"

(تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر ضرور اس کا ربّ عنقریب اس سے ہم کلام ہوگا،اس طور پر کہ بندے اور ربّ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا)۔

[رواه البخاري، كتاب التوحيد – باب كلام الرب جل جلاله يوم القيامة مع الأنبياء وغيرهم، حديث رقم (7512)، ومسلم، كتاب الزكاة – باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة، حديث رقم (1016) من رواية عدي بن حاتم رضی اللہ عنہ]

اور آپ نے یہ بات سنی کہ ربّ تبارک وتعالیٰ منادی فرمائیں گے:

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ، وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ، وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ﴾ (فصلت:47-48)

(جس دن انہیں پکارے گا کہ میرے شرکاء کدھر ہیں،وہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے کھلے طور پر بتادیا ہے کہ ہم میں سے کوئی اس کا گواہ نہیں،اور گم ہوگئے ان سے جنہیں وہ اس سے پہلے پکارا کرتے تھے،اور سمجھ لیں گے کہ ان کے لیے اب بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں)

اور فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ (القصص:62)
(اور اس دن جب انہیں پکارے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے)۔

اور جو نداء ہے وہ نہیں ہوتی مگر حرف اور آواز کے ساتھ، اسی کو کلام کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل جنتیوں کو بھی ندا فرمائیں گے اور کہیں گے:

''هَلْ رَضِيتُمْ؟ هَلْ أَزِيدُكُمْ؟''
(کیا تم راضی ہو گئے؟ کیا میں تمہیں مزید دوں؟)۔

[سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ٹکڑا ہے جو پہلے گزر چکی ہے]

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کلام فرماتے ہیں، فرمائیں اور ہم کلام ہوں گے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر ایک سے بغیر کسی ترجمان کے کلام فرمائیں گے، تمام مخلوق سے اللہ عزوجل مخاطب ہوں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس صفت کمال کے ساتھ ازلی وابدی طور پر موصوف ہے، چنانچہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفاتِ کمال میں سے ہے، اور ربّ سبحانہ وتعالیٰ افراد سے بروز قیامت کلام فرمائیں گے۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام فرمایا، اللہ عزوجل نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام فرمایا، جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرشتوں سے کلام فرمایا۔ چنانچہ کلام اللہ

حوضِ کوثر پر ایمان لانا اور اس کی صفات

حوض پر ایمان لانا، اور یہ کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا یوم قیامت حوض ہوگا جس پر ان کی امت حاضر ہوگی، اس کا عرض اس کے طول کے مساوی ہے جو ایک مہینے کی مسافت ہے، اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی تعداد کی طرح ہیں۔ اس بارے میں خبر ایک سے زیادہ طریقوں سے صحیح طور پر ثابت ہیں[11]۔

تعالی کی صفاتِ کمال میں سے ہے۔

شاہد یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے اور وہ اپنے بندوں سے بروز قیامت ہم کلام ہوں گے، اور یہ کلام مومنین کو بروز قیامت حاصل ہوگا۔

11 امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حوض پر ایمان لانا''۔

یہ ان عقائد میں سے ہے جو واجب ہے کہ ایک بندہ ان پر ایمان لائے۔ اور حوض کے تعلق سے احادیث اس کثرت سے آئی ہیں جو تواتر کی حد کو پہنچتی ہیں، اور یہ کہ:

''مَسِيرَتَهُ شَهْرٍ''

(ایک ماہ کی مسافت جتنا ہوگا)۔

[رواه البخاري، كتاب الرقاق – باب فی الحوض، حديث رقم (6579)، ومسلم، كتاب الفضائل – باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، حديث رقم (2292)، من حديث عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہما]

اور:

''وَطُولُهُ وَعَرْضُهُ سَوَاءٌ''

(اس کا طول وعرض دونوں برابر ہوں گے)۔

[صحیح مسلم کے جو الفاظ ہیں اس میں ہے کہ ''عَرْضُهُ مِثْلُ طُولِهِ''(اس کا عرض اس کی طوالت کے برابر ہوگا)۔مسلم، كتاب الفضائل – باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، حديث رقم (2300)،والبخاري، كتاب الرقاق – باب فی الحوض، حديث رقم (6591) و (6592)]

اور دیگر احادیث میں یہ بھی ہے کہ اس کی مسافت مدینہ سے صنعاء تک اور أیلہ سے صنعاء تک ہو گی۔

[رواه البخاري، كتاب الرقاق – باب فی الحوض، حديث رقم (6570)، و رضی اللہ عنہ]

یہ وہ حوض ہے کہ جس کے ذریعے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی

عزت افزائی فرمائی ہے۔ جن کی شان میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنۡحَرۡ. إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلۡأَبۡتَرُ﴾
(الکوثر:1-3)
(بلاشبہ ہم نے آپ کو کوثر عطاء فرمائی، پس آپ اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھیں اور اسی کے لیے قربانی کریں، بلاشبہ جو آپ کا دشمن ہے وہی ابتر (دُم کٹا ہو گا اور بے نام ونشان) ہو گا)

[جیسا کہ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب: حجة من قال البسملة آية من أول كل سورة سوى براءة، برقم (400) میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے]

جو جو احسانات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرمائے ہیں ان میں سے یہ سب سے افضل ترین احسان اور نعمت ہے جس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام فرمایا۔

یہ بات بھی وارد ہوئی ہے کہ بعض لوگوں کو اس پر سے دھکیل دیا جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہ مرتد ہو گئے تھے اور ان ہی سے ملحق اہل بدعت بھی ہیں۔ اس بات کو امام القرطبیؒ وغیرہ نے بیان فرمایا ہے۔

[دیکھیں: التذكرة للقرطبي (373/1 – الكتب العلمية، ط 5)، والتمهيد لابن عبدالبر (262/20) وشرح النووی علی صحیح مسلم (136/3-137) وفتح

الباري لابن حجر (385/11) ولوامع الأنوار للسفاريني (197/2-201/ الخافقين ط 2)]

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ان لوگوں سے مراد جنہیں حوض کوثر سے دھکیل دیا جائے گا حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہوں گے:

''أَصْحَابِي أَصْحَابِي''
(میرے ساتھی، میرے ساتھی)۔

[رواه البخاري، كتاب الرقاق – باب فى الحوض، حديث رقم (6582) ومسلم، كتاب الفضائل – باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم وصفاته، حديث رقم (2304)]

فرمایا کہ: ''اس سے مراد اہلِ ردّۃ (مرتد) ہیں''۔

[یہ بات امام بخاری کی صحیح بخاری میں کتاب احادیث الانبیاء – باب: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ میں حدیث رقم 3447 کے بعد ذکر ہوئی ہے کہ محمد بن یوسف جو کہ الفربری ہیں اور صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں، ابو عبداللہ سے ذکر کیا جاتا وہ قبیصہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: اس سے مراد وہ مرتد لوگ ہیں جو

عہد صدیقی میں مرتد ہو گئے تھے تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال فرمایا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری 490/6 میں فرماتے ہیں: الفربری کا یہ فرمانا کہ ابو عبداللہ سے ذکر کیا جاتا ہے اس سے مراد امام بخاری ہیں، اور وہ قبیصہ سے روایت کرتے ہیں اس سے مراد ابن عقبہ ہیں جو کہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، مطلب یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: اصحابی (میرے ساتھی) ارتداد سے پہلے کی حالت کے اعتبار سے کہا، اس اعتبار سے نہیں کہ ارتداد پر مرنے کے باوجود انہیں صحابی کہا جائے، کیونکہ بلاشبہ جو مرتد ہو جاتا ہے تو اس پر سے صحابی کا نام بھی سلب ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ ایک بہت شرف والی اسلامی نسبت ہے، اور کوئی بھی شخص جو مرتد ہو جائے بعد اس کے کہ وہ اس نسبت سے متصف ہو گیا ہو تو وہ اس کا مستحق نہیں رہتا۔ اور الاسماعیلی نے یہ مذکور حدیث عن ابراہیم عن موسی عن اسحاق عن قبیصہ عن سفیان الثوری کی سند سے ذکر کی ہے۔ (حافظ ابن حجر کا کلام ختم ہوا)]

اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے اہل بدعت کو بھی ان میں شامل کیا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے دین میں نئی چیزیں پیدا کر دی تھیں، اور اہل بدعت نے بھی یہی کام کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانے کے بعد دین میں نئی باتیں ایجاد کیں، لہذا انہیں کیوں دھکیلا جائے گا؟ کیوں کہ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے دین کو تبدیل کر لیا تھا، اور اس میں ایسی چیزیں نکالیں جو اس میں سے نہیں تھیں۔ چنانچہ یہ حدیث ان کو بھی شامل ہے۔

آگے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عذاب قبر پر ایمان لانا

عذاب قبر پر ایمان لانا۔اور اس امت کی آزمائش ان کی قبروں میں کی جاتی ہے، اور ان سے ایمان، اسلام اور ان کا رب کون ہے؟ اور ان کا نبی کون ہے؟ سوالات پوچھے جاتے ہیں، اور ان کے پاس منکر و نکیر آتے ہیں جس طرح اللہ تعالی چاہتے ہیں، اور ارادہ فرماتے ہیں، اس پر ایمان

''نبی کریم ﷺ کا بھی بلاشبہ قیامت کے دن حوض ہو گا جس پر آپ ﷺ کی امت آپ کے پاس آئے, جس کا عرض اس کے طول کے برابر ہے جو کہ ایک ماہ کی مسافت جتنا ہے، اور اس کی جو کٹورے یا پیالے ہیں وہ آسمان کے تاروں کے برابر ہیں''۔

اور وہ سونے اور چاندی کے ہوں گے جس طرح کے صحیح مسلم کی روایت ہے۔

[رواه مسلم، كتاب الفضائل – باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، حديث رقم (2303) من رواية أنس بن مالك رضی اللہ عنہ]

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جیسا کہ اس بارے میں مختلف اخبار اور آثار مختلف طریقوں سے ثابت ہیں''۔

اور یہ بات معروف اور جانی پہچانی ہے۔

لانا ہے اور اس کی تصدیق کرنا ہے[12]۔

12امام احمد حنبل رحمہ اللہ کا یہ فرمانا:

"ایمان لانا عذابِ قبر پر"۔

اس بارے میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں، اور آیات بھی آئی ہیں جن میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (غافر:46)

(ان (آل فرعون) پر صبح وشام آگ پیش کی جاتی ہے، اور جس دن قیامت قائم ہو گی تب کہا جائے گا کہ آل فرعون کو اس سے زیادہ شدید عذاب میں ڈال دیا جائے)

پس فرعون اور اس کی قوم کو اور اسی طرح تمام کفار کو شب و روز آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ برزخ کا عذاب ہے، پھر اس کے بعد اس پر عطف کیا (جوڑا) قیامت کے دن کے عذاب کو، فرمایا:

﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾

(اور جس دن قیامت قائم ہو گی تب کہا جائے گا کہ آل فرعون کو اس سے زیادہ شدید عذاب

میں ڈال دیا جائے)

اسی طریقے سے اور بھی آیات ہیں جو یہ فائدہ دیتی ہیں یعنی ان سے بھی عذاب قبر اور برزخ ثابت ہوتا ہے۔

اور عذاب قبر کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ سے بھی احادیث ثابت ہیں جس طرح سے الصحیحین یعنی بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا تو فرمایا:

''وَقَالَ: إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، قال: بَلَى إِنَّهُ كَبِيرٌ. أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ البَوْلِ''

(بلاشبہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں ہو رہا۔ یہ بھی فرمایا کہ: بلکہ کیوں نہیں یہ تو بلاشبہ بڑی باتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو چغل خوری کرتا پھرتا تھا، جبکہ دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا)۔

[رواه البخاري، كتاب الوضوء – باب ماجاء فى غسل البول، حديث رقم (217)ومسلم: كتاب الطهارة – باب الدليل على النجاسة البول ووجوب الاستبراء، حديث رقم (292) من رواية إبن عباس رضی اللہ عنہما]

چنانچہ وہ اس کبیرہ میں مبتلا ہوئے تو اللہ عزوجل نے انہیں برزخ کا عذاب چکھایا۔ اور یہ ان

دلائل میں ہیں کہ بلاشبہ لوگوں کو قبر میں ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔

اسی میں سے سیدنا البراء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے یعنی اُسی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ منکر و نکیر آئیں گے اور سوال پوچھیں گے، چنانچہ ایک مومن یہ جواب دے گا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں (جب اس سے نبی کے متعلق پوچھا جائے گا) جو ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر آئے جیسا کہ سیدہ اسماء بنت أبی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ بات موجود ہے، پس ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں۔

[رواه أحمد (4/287-288 و 295-296)، وأبو داود فى سننه برقم (3753 و3754)، والطيالسي فى مسنده (102 رقم 753) وإبن منده فى الإيمان (962/2 رقم 1064) والحاكم فى المستدرك (1/93-98 برقم 107-117) والبيهقي فى شعب الإيمان (355/1 برقم 395) وفى إثبات عذاب القبر برقم (20-28 و 43) وغيرهم. ورواه النسائي برقم (2001) وإبن ماجه برقم (1548 و 1549) مختصراً. قال إبن منده - بإختصار -: هذا إسناد متصل مشهور، رواه جماعة عن البراء، وهو ثابت على رسم الجماعة. اه. وصححه الحاكم ووافقه الذهبي، وقال البيهقي فى "إثبات عذاب القبر" (ص 39) : هذا حديث كبير صحيح الإسناد رواه جماعة من الآئمة الثقات عن الأعمش. اه. وقال المنذري فى الترغيب والترهيب (197/4) : حديث حسن رواته محتج بهم فى "الصحيح". اه. وقال الهيثمي فى "مجمع الزوائد" (173/3) : رجاله رجال "الصحيح". اه.

اوران دو فرشتوں کا نام منکر و نکیر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے جو امام ترمذی نے اپنی جامع میں رقم 1073 میں روایت کی، اسی طرح سے ابن حبان نے اپنی صحیح 386/7 رقم 3117 میں روایت کی اوران کے علاوہ دوسروں نے بھی روایت کی ہے۔اور امام الترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔اور شیخ الالبانی اسے الصحیحہ 380/3 رقم 1391 میں لائے ہیں۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما والی حدیث رواه البخاري، كتاب الوضوء – باب من لم يتوضأ إلا من الغشى المثقل، حديث برقم (184) ومسلم، كتاب صلاة الكسوف – باب ما عرض على النبي صلی اللہ علیہ وسلم فى صلاة الكسوف من أمر الجنة والنار، حديث رقم (905)]

چناچہ سیدنا البراء رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے اس میں یہ ہے کہ یہ پوچھا جائے گا:

''مَنْ رَبُّكَ؟ وَمَنْ نبيُّكَ؟ وَمَا دِينُكَ؟''

(تمہارا ربّ کون ہے؟ تمہارے نبی کون ہیں؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟)۔

تو وہ کہے گا:

''رَبِّيَ اللهُ، وَدِينِي الإِسْلامُ، وَنَبِيِّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''

(میرا ربّ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں)۔

تو اس سے کہا جائے گا:

''نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا''
(تو صالح ہے آرام سے سو جا، تحقیق ہم جان گئے کہ تو مومن تھا)۔

[اور یہ مذکورہ بالا الفاظ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ہیں]

تو پھر اس شخص پر جہنم میں جو اس کا ٹھکانہ بنتا اگر وہ کافروں میں ہوتا وہ اس پر پیش کیا جائے گا ، پھر کہا جائے گا کہ :

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کے عوض میں جنت میں ٹھکانہ دیا ہے۔ تو وہ کہے گا:

''رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ۔ فيقال له: انْتَظِرْ''
(اے میرے ربّ قیامت قائم کر دے، تو اسے کہا جائے گا انتظار کرو)۔

[رواه أحمد (3/3 برقم 11013) وغيره بنحوه في حديث طويل عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ونقله إبن كثير في تفسيره (498/4) وقال في إسناده: لابأس به. وروى البخاري في صحيحه كتاب الجنائز، باب: ما جاء في عذاب القبر برقم (1374) ومسلم في صحيحه كتاب الجنة وصفة نعيمها – باب: عرض مقعد الميت من الجنة او النار عليه وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه برقم (2870) عن أنس بن مالك

رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال:

''فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، فَيُقَالُ لَهُ: انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا''

(جو مومن ہوگا تو وہ کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جائے گا: دیکھ جہنم کی آگ میں سے جو تیرا ٹھکانہ بن سکتا تھا اللہ تعالی نے اسے جنت کے ٹھکانے سے تیرے لیے بدل دیا ہے، تو وہ ان دونوں کو دیکھے گا)]

اسی طرح جو کافر ہے اس کے پاس بھی دو فرشتے آئیں گے اور اس سے سوال پوچھیں گے:

''مَنْ رَبُّكَ؟ وَمَا دِينُكَ؟''

تو وہ کہے گا:

''هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ''

(ہائے افسوس! مجھے علم نہیں میں نے لوگوں کو بس ایک بات کہتے ہوئے سنا تھا تو میں سے بھی وہی بات کہہ دی)۔

[جیسا کہ سیدنا البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور اسی کی مانند سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ہے]

ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہی سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ کیونکہ بلاشبہ بہت سے لوگوں پر یہ خطرہ ہے کہ وہ رسالت کا معنی جس طرح اس کی معرفت کا حق بنتا ہے اس طرح جانتے ہی نہیں، اور جانتے ہی نہیں کہ بلاشبہ سیدنا محمد ﷺ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر آئے، اور نہ لا الہ الا اللہ کا معنی جانتے ہیں، بلکہ ان کی حالت تو یہی ہے کہ لوگوں کو ایک چیز کہتے ہوئے سنا تو بس انہوں نے بھی کہہ دی۔

چنانچہ ایک مومن کو ڈرنا چاہیے اور غور وتدبر کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر اور ان سوالات کے جواب دینے کی بھرپور تیاری رکھنی چاہیے۔ اور سیدنا محمد بن عبداللہ ﷺ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر آئے تو ہم اس پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی۔ یعنی یہ جو ایمان ہے نتیجہ ہے اس ہدایت اور اس واضح بیان کی معرفت کا جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، چنانچہ اس شدید اور کڑے امتحان میں اس نے نفع پہنچایا۔

اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ مِثْلَ أَوْ قَرِيبَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ"

(بلاشبہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے فتنۂ دجال یا تقریباً اس جیسے فتنے کے ساتھ)۔

[یہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کی تخریج گزر چکی ہے]

اسی طرح نماز میں جب ہم تشہد پڑھتے ہیں (تو اس کے بعد درود شریف پڑھ کر جو دعاء پڑھتے

ہیں اس میں بھی یہ الفاظ ہیں): ''اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمن عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ''

(اے اللہ میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں عذاب قبر سے، اور جہنم کی آگ کے عذاب سے، اور زندگی اور موت کے فتنے سے)۔

[رواه البخاري، كتاب الجنائز، باب: التعوذ من عذاب القبر برقم (1377) من حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ ومسلم، كتاب المساجد، باب: ما يستعاذ منه فى الصلاة، حديث رقم (589) من حديث عائشة رضی اللہ عنہا]

لہذا عذاب قبر اور برزخ سے متعلق دلائل بہت کثرت کے ساتھ موجود ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں جو ابھی ہم نے آپ کے سامنے بیان کیے۔ چنانچہ یہ بات بالکل ثابت شدہ حقیقت ہے جس پر اہل سنت ایمان لاتے ہیں، جبکہ معتزلہ اور ان کی تقلید کرنے والے دیگر (عقل پرست) گمراہ فرقے اس کا انکار کرتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اور اس امت کی آزمائش اس کی قبروں میں کی جاتی ہے، اور اس سے ایمان اور اسلام کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، اور یہ بھی پوچھا جاتا ہے تمہارا رب کون؟ تمہارے نبی کون؟، اور اس کے پاس منکر و نکیر فرشتے آتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور ارادہ فرماتا، ہم اس پر

ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں"۔

منکر و نکیر قبر میں کس طرح داخل ہوتے ہیں؟ جس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہتا ہے۔ اسی طرح وہ فرشتہ جو ماں کے رحم پر مقرر کیا جاتا ہے جسے چار باتوں کا حکم کیا جاتا ہے اس پیٹ میں موجود بچے کے تعلق سے کہ اس کا رزق، اس کی موت یا پوری زندگی کتنی ہے وہ لکھے اور نیک بخت ہے یا بد بخت ہے وہ بھی لکھے، اسی طرح سے یہ فرشتے قبر میں داخل ہوتے ہیں اور سوال پوچھتے ہیں، کس طرح؟

ہمیں اس کا علم نہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کو بخوبی جانتے ہیں مگر اس نے اس کی ہمیں خبر دی ہے کہ اس طرح ہوتا ہے اور ہو گا۔ آپ کے ذمے کچھ نہیں مگر صرف یہی کہ آپ اس پر ایمان لائیں۔ یہی تو ایک مومن کی سب سے افضل اور امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ ایمان بالغیب لاتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓمّٓ. ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (البقرۃ: 1-3)

(الم، یہ کتاب ہے (اللہ عزوجل کی طرف سے) اس میں کوئی شک نہیں، جو ان متقیوں کے لیے ہدایت ہے، جو کہ غیب پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق عطاء کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں)

بروز قیامت شفاعت پر ایمان لانا

نبی اکرم ﷺ کی شفاعت پر ایمان لانا، اور اس قوم پر جو آتش جہنم سے جل جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے پھر اس سے باہر نکلے گیں۔ پس انہیں ایک نہر کی جانب جانے کا حکم دیا جائے گا جو جنت کے دروازے پر ہے جیسا کہ اثر (حدیث) سے یہ ثابت ہے، جیسے اور جس طرح اللہ تعالی چاہے، ہمیں تو صرف ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ہے[13]۔

تو آپ غیب پر ایمان لائیں جس کے ضمن میں قرآن کریم ہے اور غیب پر ایمان لائیں جس کی ضمن میں محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی ہے، جنہیں اللہ تعالی نے اس قرآن کی وضاحت اور اس کی تبلیغ کا مکلف فرمایا تھا، تو منجملہ ان ہی بیانات اور وضاحتوں میں سے یہ بھی ہے۔ اور ان احادیث میں ان ہی آیات کی تفصیل ہیں جو عذاب برزخ یا جو وہاں نعمتیں ملیں گی پر دلالت کرتی ہیں۔

13 پس نبی کریم ﷺ کی شفاعت ثابت ہے اور یہ بروز قیامت میدان محشر میں واقع ہو گی جب لوگوں شدید ہولناکیوں میں مبتلا ہوں گے تو وہ سیدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس جائیں گے، پھر سیدنا نوح، پھر سیدنا ابراہیم پھر سیدنا موسیٰ پھر سیدنا عیسیٰ علیہم السلام ان تمام کی طرف یکے بعد دیگرے جاتے جائیں گے اور تمام کے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اپنا وہ وہ عذر بیان کریں گے جو احادیث میں معروف ہیں، یہاں تک کہ آخر کار لوگ نبی رحمت علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس پہنچ جائیں گے تب آپ ﷺ فرمائیں گے:

''أَنَا لَهَا''

(میں ہی یہ کرنے کا حق دار ہوں یا میں کر سکتا ہوں)۔

تو آپ ﷺ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے طویل مدت تک سجدہ ریز رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد ثناء بیان کریں گے جس کو خود آپ ﷺ آج نہیں جانتے، بلکہ اللہ تعالیٰ اسی وقت آپ کی طرف وہ وہ حمد و ثناء الہام فرمائیں گے، پھر آپ ﷺ سے کہا جائے گا:

''اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ''

(اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، اور مانگیں آپ کو دیا جائے گا، اور آپ شفاعت (سفارش) کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی)۔

[رواه البخاري، كتاب التوحيد – باب كلام الرب عزوجل يوم القيامة مع الأنبياء وغيرهم، برقم (7510) ومسلم، كتاب الإيمان – باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، برقم (193)]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی دیگر شفاعتیں بھی ثابت ہیں جیسا کہ ان لوگوں کی درجات کی بلندی کی شفاعت کرنا جو اس کے

حق دار ہیں کہ انہیں جنت میں نزدیکی کے درجات ملیں، تو آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے

جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ اسی طریقے سے ایسی قوم جو جہنم کی آگ میں داخل ہونے کی مستحق تھی تو ان کے لیے شفاعت کریں گے آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور انہیں جہنم میں داخل ہی نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح سے ان لوگوں کے لیے بھی جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے اپنے گناہوں کی وجہ سے جو انہوں نے کیے یا کبیرہ گناہوں کی وجہ سے جس کے وہ مرتکب ہوئے، تو پھر رسول اکرم ﷺ ان کے بارے میں بھی شفاعت کریں گے اور آپ ﷺ کے علاوہ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام فرشتے اور نیک صالحین شفاعت کریں گے، تو یہ وہ شفاعتیں ہیں جو ثابت ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی شفاعتیں ہیں جس میں دیگر انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور صالحین اور فرشتے تمام شریک ہیں آپ ﷺ کے ساتھ۔

جو شفاعت سے متعلق احادیث ہیں وہ متواتر ہیں اور بہت زیادہ کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ جن میں سے خود صحیح بخاری و مسلم میں بہت زیادہ کثرت سے روایات موجود ہیں۔ ان ہی میں سے ایک سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ شفاعت کرتے ہوئے یہ فرمائیں گے:

''أُمَّتِي أُمَّتِي۔۔۔''

(میری امت، میری امت)

پھر آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کہا جائے گا:

''انْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا''

(آپ جایئے اور دیکھیے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے تو اسے جہنم سے نکال لیجیے)۔

تو آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ''

(میں جاؤں گا اور یہ کر گزروں گا)۔

''ثُمَّ أَعُودُ إِلَى رَبِّي فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي، يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ، أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيُقَالُ لِي: انْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ. فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ''

(پھر میں واپس لوٹوں گا اپنے ربّ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس اور یہ یہ حمد وثناء اس کی بیان کروں گا، پھر اس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے سنا جائے گا مانگیں عطاء کیا جائے گا، اور شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، تو میں کہوں گا: اے میرے ربّ میری امت، میری امت، مجھ سے کہا جائے گا: آپ جایئے اور دیکھئے

جس کے دل میں ادنی سے ادنی کم سے کم تر بھی رائی کے دانے سے بھی کم تر ایمان ہو تو اسے بھی آپ جہنم کی آگ سے نکال لیجیے، پس میں جاؤں گا اور یہ کر گزروں گا)۔

[رواه البخاري، كتاب التوحيد – باب كلام الرب عزوجل يوم القيامة مع الأنبياء وغيرهم، برقم (7510) ومسلم، كتاب الإيمان – باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، برقم (193) دیکھیں حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ]

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ مواحدین کے دل میں جو ایمان ہے اگرچہ وہ رائی کے دانے کے برابر یا اس سے کم تر ہے اس کے ذریعے سے جہنم کی آگ سے نکلوادیں گے، اور یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

اس شفاعت کا انکار خوارج، معتزلہ، روافض اور اس قسم کے لوگ جو اہل ضلالت و گمراہی ہیں وہ کرتے ہیں حالانکہ یہ ثابت ہے کتاب وسنت سے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الانبياء:28)

(یہ شفاعت نہیں کرتے سوائے ان کے حق میں جس سے وہ (اللہ تعالی) راضی ہو)

یہ انکار کرنے والے لوگ اس مسئلے میں ان عمومی دلائل سے چمٹے رہے ہیں جو کفار کے متعلق ہیں مومنین کے نہیں، مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ (البقرۃ:254)
((اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو) اس دن سے پہلے کہ جس دن نہ خرید وفروخت کام آئے گی نہ ہی کوئی یاری دوستی کام آئے گی اور نہ ہی شفاعت کام آئے گی)

اس طرح کی بہت ساری آیات ہیں جن میں شفاعت کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفی کی گئی ہے لیکن کفار کے متعلق، فرمایا:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ (المدثر:48)
(انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی)

چنانچہ جو اہل اہواء ہیں وہ اس قسم کے عمومی دلائل سے چمٹے رہتے ہیں، اور ان متواتر نصوص کو چھوڑ دیتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں، بلکہ قرآن کریم کے ان بعض نصوص کو بھی چھوڑ دیتے ہیں جو اس شفاعت کو ثابت کرتے ہیں جو ان مومنین کے حق میں ہو گی جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا:

﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ (الانبیاء:28)
(یہ شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے حق میں کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، اور وہ اس کی خشیت سے لرزاں وترساں رہتے ہیں)

اور فرمایا کہ :

﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ (سبأ: 23)

(اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت فائدہ نہیں دیتی مگر اس کے لیے دیتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرماتے ہیں)

چنانچہ جو کفار ہیں ان کے لیے شفاعت کی اجازت نہیں دی جاتی اور نہ اسے کبھی قبول کیا جاتا ہے یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے باپ کے تعلق سے شفاعت کریں گے تو آپ کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔

[جیسا کہ صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء — اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق باب: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ حدیث رقم 3350 میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں ہے کہ :

"فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ: يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لَا تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى: إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا إِبْرَاهِيمُ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُلْتَطِخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ"

(سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کریں گے کہ اے رب! تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ مجھے قیامت کے

دن رسوا نہیں کرے گا۔ آج اس رسوائی سے بڑھ کر اور کون سی رسوائی ہو گی کہ میرے والد (تیری رحمت سے) سب سے زیادہ دور ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: میں نے جنت کافروں پر حرام قرار دی ہے۔ پھر کہا جائے گا کہ اے ابراہیم! تمہارے قدموں کے نیچے کیا چیز ہے؟ وہ دیکھیں گے تو ایک ذبح کیا ہوا بالوں بھرا جانور خون اور گندگی میں لتھڑا ہوا وہاں پڑا ہو گا اور پھر اس کے پائے پکڑ کر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا)]

حالانکہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو الانبیاء ہیں اور آپ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم منزلت اور مرتبہ ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور آپ اپنے باپ کے تعلق سے شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔

البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خاص شفاعت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے بارے میں قبول کی جائے گی وہ بھی اس طور پر کہ وہ جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں ہوں گے تو وہاں سے اٹھا کر انہیں اس کے بالائی سطح کے درجے پر لایا جائے گا۔

[جس طرح امام مسلم اپنی صحیح میں، كتاب الإيمان – باب شفاعة النبي صلی اللہ علیہ وسلم لأبي طالب والتخفيف عنه رقم (209) میں سیدنا العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں، فرماتے ہیں:

”قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَبَا طَالِبٍ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَنْصُرُكَ فَهَلْ نَفَعَهُ ذَلِكَ؟ قَالَ

،نَعَمْ وَجَدْتُهُ فِي غَمَرَاتٍ مِنَ النَّارِ فَأَخْرَجْتُهُ إِلَى ضَحْضَاحٍ"

(میں نے دریافت کیا: ابو طالب آپ کا قوم سے بچاؤ کرتے اور دفاع کرتے تھے کیا یہ چیز ان کو کچھ فائدہ دے گی؟ فرمایا: ہاں، اس طور پر کہ میں جہنم کی گہرائیوں میں انہیں پاؤں گا تو انہیں بالائی سطح پر نکال لاؤں گا)۔ یعنی شفاعت کے ذریعے]

تو یہ جو فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾

(پس انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی)

تو یہ کفار کے حق میں ہے۔

لیکن مومنین کے حق میں فرمایا:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ (النجم:26)

(اور کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں ایسے ہیں کہ جن کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اجازت دے جس کے لیے چاہے اور جس سے وہ راضی ہو)

اسی طرح آیت الکرسی میں ہے کہ:

خروجِ دجال

مسیح دجال کے نکلنے پر ایمان لانا، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا، اور اس بارے میں وارد احادیث پر ایمان لانا، اور یہ ایمان لانا کہ ایسا ضرور ہونا ہے[14]۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرۃ:255)

(کون ہے وہ جو اس کے حضور میں شفاعت کر سکے بغیر اس کے اذن کے)

چنانچہ اس شفاعت کی مومنین کے حق میں اجازت دی جاتی ہے جو کہ ثابت ہے کتاب سے اور سنت متواترۃ سے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے علاوہ دیگر شفاعت کریں گے مومنین کے درجات کی بلندی کے لیے، اور اس لیے کہ وہ جہنم میں داخل نہ ہوں، یا داخل ہو گئے ہیں تو اس سے نکالنے کے لیے جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلے احادیث کے دلائل کی روشنی میں کیا۔

تو اہل سنت اس چیز پر ایمان لاتے ہیں اور یہ ان کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے جس میں ان کی مخالفت اہل اہواء اور اہل بدعت کرتے ہیں خوارج میں سے، روافض میں سے اور اہل باطل میں سے۔ تو ایک بندے پر یہ واجب ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔

[14] اس بارے میں باکثرت صحیح احادیث آئی ہیں اتنی کہ جو تواتر کے درجے پر پہنچ جاتی ہیں یعنی

خروج دجال کے متعلق اور نزول مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ بھی ہے خود آپ روزانہ اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں کہ :

''اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمن عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ''

(اے اللہ ! بے شک میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری عذاب قبر سے، اور آگ کے عذاب سے، اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح الدجال کے فتنے کا جو شر ہے اس سے بھی تیری پناہ طلب کرتا ہوں)۔

[أخرجه البخاري، كتاب الدعوات – باب الإستعاذة من أرذل العمر، ومن فتنة الدنيا وفتنة النار، برقم (6375)،ومسلم فی كتاب الذكر والدعاء والإستغفار، حديث رقم (579)]

شدید افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگوں نے خروج دجال کا انکار کیا ہے اور کہتے ہیں: ہم اس کی مختلف تاویلات کرتے ہیں اور اس بہت ہی عجیب و غریب تاویلات میں سے یہ بھی ہے کہ فی زمانہ بعض لوگ کہتے ہیں: دجال کوئی شخص نہیں ہے، اسی طرح عیسیٰ بھی کوئی شخص نہیں ہے، بلکہ وہ تو ایک روحانی اور مادی رجحان ہیں۔ پس مادی رجحان پر دجال کا اطلاق کیا جاتا ہے، جبکہ روحانی رجحان پر عیسیٰ کا اطلاق کیا جاتا ہے!

لیکن حقیقت یہ ہے کہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق احادیث متواتر ہیں جیسا کہ ابھی ذکر ہوں گی۔

جو بہت سی احادیث ہیں ان میں سے حدیث سیدنا ابن عمر ہے، انس، حذیفہ، ابن مسعود، أبی ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے احادیث ثابت ہیں، اور یہ احادیث صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہیں جو خروج دجال سے متعلق ہیں۔

[كتاب الفتن وأشراط الساعة — باب إقبال الروم فى كثرة القتل عند خروج الدجال، حديث إبن مسعود رضی اللہ عنہ برقم (2899). اس باب میں دجال، اس کی صفات اور جو کچھ اس کے پاس ہوگا اس کا ذکر ہے: حدیث ابن عمر برقم (2932)، حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ برقم (2933)، حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ برقم (2934)، حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ برقم (2936)]

اور ہر نبی نے اس دجال سے اپنی امت کو خبردار کیا اور خود سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس سے خبردار فرمایا اور کہا:

"إِنِّي أُنْذِرُكُمُوهُ وَسَأَقُولُ لَكُمْ شَيْئًا مَا قَالَهُ أَحَدٌ قَبْلِي: إِنَّهُ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى"

(بے شک میں تمہیں اس سے خبردار کرتا ہوں اور ضرور تمہیں ایسی بات بتلاؤں کہ جو مجھ سے پہلے دوسروں نے بیان نہیں کی: وہ اپنی داہنی آنکھ سے کانا ہوگا)۔

[رواه البخاري، كتاب الفتن – باب الدجال، حديث رقم (7127)، ومسلم رقم (169)]

اور اس کے ساتھ جنت (باغ) اور آگ ہو گی، ایک جنت کی نہر ہو گی اور ایک آگ کی نہر ہو گی جو بظاہر لوگوں کو نظر آ رہی ہو گی، لیکن در حقیقت وہ بظاہر جنت کی نہر نظر آنے والی اصل میں آگ ہو گی، اور اسی طرح سے جو آگ کی نہر ہو گی وہ در حقیقت جنت ہو گی۔ تو رسول اکرم ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جب کوئی مومن اس نہر کو دیکھے جو لوگوں کی نظر میں آگ نظر آ رہی ہے تو وہ اپنا سر جھکائے آنکھیں موند لے اور اس میں سے پی لے تو وہ ٹھنڈا پانی ہو گا، اور اس کے برعکس جو جنت نظر آ رہی ہو گی لوگوں کو اصل میں آگ ہو گی، والعیاذ باللہ!

آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا مَعَ الدَّجَّالِ مِنْهُ"

(دجال کے پاس جو کچھ ہے خود دجال سے زیادہ میں اس کو جانتا ہوں)۔

[صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ذكر الدجال وصفته وما معه، برقم (2934) من حديث حذيفة رضی اللہ عنہ]

رسول کریم ﷺ خود دجال سے زیادہ اس بات کا علم رکھتے ہیں، چنانچہ دجال کو خود یہ معلوم

نہیں ہے کہ وہ نہر آگ کی ہے جو بظاہر جنت نظر آ رہی ہے اور جو بظاہر آگ ہے وہ جنت ہے، والعیاذ باللہ۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے ہمیں ان حقائق سے متعلق خبر کی اور یہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہیں، اور آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت میں سے ہیں عَلَيْهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ۔

اور جو دجال سے متعلق احادیث ہیں اس کے سیاق کی مناسبت سے یہ بھی فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ دجال کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے کبھی تو اس کو حقارت کے ساتھ ذکر کیا اور کبھی اس کے معاملے کو بہت بڑا معاملہ بتایا، یا اس کا معنی یہ بھی ہے کہ کبھی ہلکی آواز میں بتایا اور کبھی آواز بلند فرماتے ہوئے، تو لوگ اس بارے میں آپس میں چہ مگوئیاں کرنے لگے۔ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ آپ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور کبھی اس کو حقارت سے بیان کیا کبھی اس کے معاملے کو بڑا بتایا یا کبھی ہلکی آواز میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور کبھی آواز بلند فرمائی اور ایسا ایسا فرمایا۔ تو اس حدیث میں آگے آپ ﷺ نے فرمایا:

"غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُنِي عَلَيْكُمْ"

(مجھے دجال سے بڑھ کر کسی اور چیز کا تمہارے اوپر خوف وخدشہ ہے)۔

[صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ذكر الدجال وصفته وما معه، برقم (2937) من حديث النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ]

نزولِ سیدنا عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام

اور بے شک سیدنا عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے اور اس (دجال) کو بابِ لدّ کے پاس قتل کریں گے (15)۔

کیونکہ دجال کی تو پیشانی پر لکھا ہو گا کافر "ك، ف، ر" کافر لکھا ہو گا جسے ہر مومن پڑھ سکتا ہو گا خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، یہ تو بالکل واضح نشانی ہے کہ بلاشبہ وہ کافر ہے بر خلاف ان لوگوں کے جو اسلامی لبادے میں آتے ہیں، اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں اور ان کے نعرے اسلامی ہوتے ہیں، یہ زیادہ نقصان دہ لوگ ہیں! (یعنی ان گمراہ کرنے والے آئمہ کے متعلق فرمایا کہ):

"غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُنِي عَلَيْكُمْ"

(مجھے دجال سے بڑھ کر کسی اور چیز کا تمہارے اوپر خوف وخدشہ ہے)۔

کیونکہ یہ لوگ تلبیس کرتے ہیں حق و باطل کو گڈ مڈ کر کے پیش کرتے ہیں، اور کذاب و جھوٹے لوگ ہیں، اور یہ بہت تعداد میں موجود رہتے ہیں جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبر دار فرمایا ہے۔

15 یہ بات صحیح احادیث میں وارد ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے اور آپ کے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر رکھے ہوں گے، اور آپ نے ایسا جبہ

پہنا ہو گا جو زعفران اور ورس کے ساتھ رنگا گیا ہو گا، آپ ﷺ دمشق کی مسجد کے مشرقی منارے کے پاس نازل ہوں گے پھر مسلمانوں کی جانب متوجہ ہوں گے۔ پھر وہاں سے آپ ﷺ دجال کے قتل کے لیے روانہ ہوں گے اور اسے پا کر قتل کر دیں گے، بارک اللہ فیکم۔

[یہ بات سیدنا سمعان الکلابی رضی اللہ عنہ والی سابقہ حدیث میں ہی مذکور ہے]

تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس نبی اور رسول مسیح ﷺ کو اس مسیح الدجال پر مسلط فرما دیں گے۔ اور سیدنا عیسیٰ ﷺ کو مسیح کہنا سیاحت کی وجہ سے ہے، اور دجال کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہے یا دھنسی ہوئی ہے، چنانچہ سیدنا عیسیٰ ﷺ تو نبی ہیں رسول ہیں جبکہ یہ جو مسیح ہے تو یہ جھوٹا ہے دجال ہے۔

چنانچہ یہ المسیح الدجال ہے اور وہ المسیح عیسیٰ ابن مریم ﷺ ہیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے ہاتھوں اس کو قتل فرما دیں گے۔

اور اس کے قتل کے بعد یاجوج و ماجوج آئیں گے اور سیدنا عیسیٰ ﷺ خود اور اپنے ساتھ جو مومنین ہوں گے انہیں لے کر طور پہاڑ پر چڑھ جائیں گے پھر ایک عرصہ گزرنے کے بعد سیدنا عیسیٰ ﷺ اور آپ کے جو ساتھی صحابہ ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں گے ان یاجوج و ماجوج کے خلاف تو اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر دیں گے، اور ان کی ہلاکت سے زمین پر اس کثرت سے ان کی لاشیں پڑی ہوں گی کہ ان کے تعفن و بدبو سے انسانوں کا جینا دوبھر ہو جائے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ سے دوبارہ دعاء کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرندوں کو بھیجیں گے کہ جو بُختی

اونٹ کی گردنوں کی طرح ہوں گے اور وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہاں اٹھا کر پھینک دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بہت ہی موسلا دھار بارش نازل فرمائیں گے جو زمین کو یوں صاف کر دے گی جس طرح ایک آئینہ صاف ستھرا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیں گے تو وہ اپنی برکتیں باہر نکال دے گی یہاں تک کہ ایک انار پورے قبیلے کو کافی ہو جائے گا اور اتنا بڑا ہو گا کہ اس کو کھانے کے بعد اس کے چھلکے کے سائے میں وہ رہیں گے جس طرح خیمہ ہوتا ہے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس کے تحت آ جائے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اتنی برکت فرمائیں گے کہ جو ایک اونٹنی کا دودھ ہے ایک بڑی قوم کے لیے کافی ہو گا، اسی طرح ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کے لیے اور ایک بکری کا دودھ لوگوں کے ایک خاندان تک کے لیے کافی ہو گا! یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے ان دنوں میں برکات ہوں گی۔

پھر اس کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ قومِ عیسی کی طرف ایسی پاک ہوا بھیجیں گے جس سے تمام مومنین وفات پا جائیں گے۔

اس کے بعد بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح آپس میں جماع کر رہے ہوں گے یہاں تک کہ پھر ان ہی پر قیامت قائم ہو گی۔

تو یہ قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں: جیسے خروجِ دجال ہے، اور انہی میں سے نزولِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، اسی طرح خروج الدابۃ (ایک جانور جو نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا)

ایمان قول و عمل کا نام ہے جو بڑھتا گھٹتا ہے

اور ایمان قول و عمل کا نام ہے، جو بڑھتا اور گھٹتا ہے، جیسا کہ خبر[16] (حدیث) میں آیا:

''أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا''[17]

(ایمان کے اعتبار سے اکمل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہیں)[18]۔

ہے، اور اسی میں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، اور تمام ضرور واقع ہوں گی اور یہ آیات الکبریٰ (بڑی نشانیوں) میں سے ہیں۔

16 طبقات الحنابلۃ میں ''اثر'' کا لفظ ہے۔

17 سنن ابی داود: کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ، حدیث رقم (4682)۔ سنن ترمذی: کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا، حدیث رقم (1162)۔

18 ایمان قول اور عمل ہے۔ قول ہے دل کا اور زبان کا اور عمل ہے دل اور جوارح کا۔ یا پھر آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ: ایمان قول، عمل اور اعتقاد ہے جو کہ اطاعت و فرماں برداری سے بڑھتا ہے اور معصیت و نافرمانی سے گھٹتا ہے۔ یہ ایمان ہے اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک۔

اس عقیدے میں ان کے ساتھ خوارج بھی شریک ہیں مگر بس یہاں تک کہ بلاشبہ ایمان قول، عمل اور اعتقاد کا نام ہے لیکن ان کے نزدیک ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی کیوں کہ ان کے

نزدیک محض کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے سے مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور ان کے مد مقابل مرجئہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان بس تصدیق ہے یعنی دل سے تصدیق کرنا یا پھر محض معرفت کا نام ہے جیسا کہ جہمیہ کے نزدیک ہے، یا پھر دل کی تصدیق ہے جیسا کہ غالی مرجئہ کے نزدیک ہے۔

البتہ جو مرجئة الفقهاء ہیں ان کے نزدیک ایمان دلی اعتقاد اور زبان کے قول کا نام ہے ان کے نزدیک عمل مسمی الایمان میں داخل نہیں ہے۔ جب کہ اہل سنت کے نزدیک دل کے جو اعمال اور جوارح کے اعمال داخل ہیں مسمی الایمان میں تصدیق کے بعد۔

[بعض مرجئہ دل کے اعمال کو ایمان میں شمار کرتے ہیں، یہ بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الایمان'' میں ذکر فرمائی]

چنانچہ ایمان مشتمل ہے اعتقادات پر اور دلی اعمال پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف، اس کی محبت، اس سے رجاء اور امید، رغبت، توکل، یہ تمام کے تمام دلی اعمال ہیں اور ایمان کی بنیاد اور جڑ ہیں، ان کے بغیر نہ ایمان قائم ہو سکتا ہے اور نہ ان کے بغیر ایمان ہوتا ہے۔ اسی طریقے سے جو جوارح کے اعمال ہیں جیسا کہ روزہ، نماز، زکوٰۃ اور جتنی بھی شرعی تکالیف ہیں جیسا کہ جہاد اور اس جیسی چیزیں یہاں تک کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی ایمان میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''الإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً أَعْلاهَا لَا إِلَهَ إِلا اللهُ ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى مِنِ الطَّرِيقِ''

(ایمان کے ستر سے اوپر کچھ شعبے ہیں جن میں سے اعلیٰ ترین لَا إِلَهَ إِلا اللهُ کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے)۔

[رواه مسلم، كتاب الإيمان – باب بيان عدد شعب الإيمان، حديث رقم (35)، من حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ]

یہ ایمان ہے جو نیکیاں کرنے سے بڑھتا ہے اور گناہ کرنے سے کم ہوتا ہے۔ اتنا بڑھتا ہے اتنا بڑھتا ہے کہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے اور اتنا گھٹتا ہے اس میں نقص آتا ہے کہ ادنیٰ رائی کے دانے کے برابر ایمان رہ جاتا ہے۔

جب کہ مرجئہ کے نزدیک ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے، کیوں کہ ایمان ان کے نزدیک محض تصدیق کا نام ہے جو کہ کسی قسم کے نقص کو قبول نہیں کرتی اگر اس پر کوئی نقص طاری ہو تو وہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کا جو مرتکب ہے وہ دائرہ ایمان سے ہی ان کے نزدیک خارج ہو جاتا ہے، لیکن اس میں کمی نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک ایمان میں سب برابر ہیں اور اس میں تفاضل نہیں ہوتا (یعنی ایک سے بڑھ کر دوسرا مومن نہیں ہوتا)، لہذا ان کے نزدیک برابر ہے فاسق و فاجر ترین انسان اور خبیث ترین انسان انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور فرشتوں کے برابر

ہے ایمان میں! اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔

بالکل اسی طرح گمراہی میں ان کے مد مقابل خوارج ہیں چنانچہ جو غالی مرجئہ ہیں ان کا شر بہت بڑا ہے، کیوں کہ وہ اپنے اس خبیث اعتقاد کی وجہ سے شریعت اسلامیہ کو ہی منہدم کر دیتے ہیں۔ اور خوارج بھی خبثاء ہیں کیوں کہ وہ امت کی تکفیر کرتے ہیں اور ان پر تلوار سونت لیتے ہیں، پس ان کے جان اور مال کو مباح قرار دیتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ کوئی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو جائے جیسے زنا ہے، چوری ہے یا قتل ہے تو ان کے نزدیک ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔

حالانکہ یہ جھوٹ ہے گمراہی ہے اور سوء فہم ہے۔ پھر کیوں اللہ تعالیٰ نے چور پر حدود کو قائم کرنے حکم دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ (المائدۃ:38)

(چور مرد اور چور عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو جو کہ بدلہ ہے ان کے کیے کا)

پھر کیوں اللہ تعالیٰ نے شراب پینے والے پر حد کے نفاذ کا حکم دیا ہے؟ اور اس شخص کو دیکھیں جو شراب پینے کی وجہ سے لایا جاتا ہے اور اس پر حد قائم ہوتی ہے تو صحابہ میں سے کوئی ایک کہتا ہے ''لعنك الله'' (اللہ تعالیٰ تم پر لعنت کرے) کتنی بار تمہیں پکڑ کر لایا جاتا رہا ہے! اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لَا تَلْعَنْهُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ''

(اسے لعنت نہ کرو بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے)۔

[رواه البخاري، كتاب الحدود – باب ما يكره من لعن شارب الخمر، وأنه ليس بخارج من الملة، حديث رقم (6780) من حديث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ]

کیوں کہ وہ ایک مومن تھا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا تھا۔ کیا کافر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

اسی طریقے سے اگر کوئی زنا کا مرتکب ہو جائے اور اس پر حد قائم ہو تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے۔

جب کہ جو مرتد کافر ہے اس کا حکم بھی قتل کیا جانا ہے۔ اس کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ''

(جو اپنا دین تبدیل کرے (یعنی اسلام سے مرتد ہو جائے) تو اسے قتل کر دو)۔

[رواه البخاري، كتاب الجهاد والسير – باب: لا يعذب بعذاب الله، حديث رقم (3017) من حديث إبن عباس رضی اللہ عنہما]

جس نے نماز چھوڑی تحقیق کفر کیا

جس نے نماز کو چھوڑا اس نے کفر کیا، اور اعمال میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کا چھوڑنا کفر ہو سوائے نماز کے، جس نے اسے ترک کیا وہ کافر ہے، اور اللہ تعالی نے اس کا قتل حلال ٹھہرایا ہے[19]۔

تو کافر سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائے۔

اگرچہ جو کبیرہ گناہ ہیں ان کا ارتکاب جیسا کہ زنا ہے، قتل ہے یا شراب خوری ہے یا اس جیسے دیگر گناہ بہت عظیم اور شدید جرائم ہیں اسلام کی نظر میں لیکن ایسا شخص کافر نہیں ہو جاتا، اور نہ ہی دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے بلکہ اس پر حد قائم کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ آخرت میں اگر اللہ تعالیٰ اس سے در گزر نہ فرمائے تو پھر اسے اس گناہ کی پاداش میں عذاب ہو گا اس قدر جتنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہے اور اس قدر جتنے کا وہ مستحق ہے، لیکن وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو گا، اور ضروری ہے کہ آخر کار وہ گنہگار اپنی توحید کی وجہ سے جہنم سے نکل کر جنت داخل ہو گا۔

19 امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ فرمانا:

"جس نے نماز چھوڑی یقیناً اس نے کفر کیا"۔

میرے بھائیو اس بارے میں بہت زیادہ دلائل موجود ہیں، جس میں ان لوگوں کے لیے بہت

سے دلائل ہیں جو تارک الصلاۃ نماز چھوڑنے والے کی تکفیر کرتے ہیں یعنی کافر قرار دیتے ہیں ،اور یہ بہت ہی قوی اور مضبوط دلائل ہیں، اور ان کے مقابل میں وہ لوگ ہیں جو نماز کے چھوڑنے والے کو کافر قرار نہیں دیتے،اوران کے پاس ان نصوص کی تاویلات موجود ہیں۔

ان لوگوں کے دلائل جو نماز چھوڑنے پر کافر قرار دیتے ہیں:

اللہ تعالی کا فرمان:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ (التوبۃ: 11)

(پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ جو اخوت و اسلامی بھائی چارہ حاصل نہیں ہوتا ایمان میں داخل ہوئے بغیر اور نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بغیر۔

اور فرمایا:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ (التوبۃ: 5)

(پھر اگر وہ تائب ہو جائیں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر ان کی راہ چھوڑ دو)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا راستہ نہیں چھوڑا جائے گا اور نہ ان پر سے تلوار ہٹائی جائے گی جب تک وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں، اور نماز قائم نہ کریں اور زکوٰۃ ادا نہ کریں۔

چنانچہ یہ بڑی قوی حجتیں ہیں اور بہت زیادہ ہیں جن میں احادیث بھی ہیں مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وَمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَقَدْ كَفَرَ''

(اور جس نے نماز چھوڑی یقیناً اس نے کفر کیا)۔

[رواه بريدة بن الحصيب الأسلمي رضی اللہ عنہ أخرجه الترمذي، كتاب الإيمان – باب ما جاء فی ترك الصلاة، حديث رقم (2621) وإبن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ب باب ماجاء فيمن ترك الصلاة، حديث رقم(1079)والنسائي، كتاب الصلاة – باب المحاسبة على الصلاة، حديث رقم (463)]

اور فرمایا:

''بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْكُفْرِ أَوْ الشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ''

(بندے اور کفر یا شرک کے درمیان فرق نماز کا چھوڑ دینا ہے)۔

[من رواية جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہما رواه مسلم فی صحيحه فی كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، برقم (82)]

چنانچہ نماز کا معاملہ بہت عظیم ہے۔ یہ اسلام کا ستون ہے۔ جیسا کہ اس کے تعلق سے عنقریب

حدیث آئے گی عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ کی جس کی جانب امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے بھی اشارہ فرمایا کہ اعمال میں سے کسی بھی چیز کو چھوڑنا کفر نہیں ہے سوائے نماز کے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ اپنے اس رسالے میں تارک الصلاۃ کی تکفیر کی طرف گئے ہیں اور حدیث سے حجت پکڑی ہے اور عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ کے قول سے بھی حجت پکڑی ہے، کیوں کہ عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ''

(اصحاب محمد ﷺ اعمال میں سے کسی بھی چیز کو چھوڑنا کفر نہیں سمجھتے تھے سوائے نماز کے)۔

[رواه الترمذي، كتاب الإيمان – باب ماجاء فى ترك الصلاة، برقم (2622) ورواه محمد بن نصر المروزي فى تعظيم قدر الصلاة (2/904-905، برقم 948]

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ اہل علم کی ایک بڑی اکثریت صحابہ میں سے اور ان کے علاوہ بھی نماز چھوڑنے والے کی تکفیر کی طرف گئے ہیں اور آئمہ کی ایک جماعت بلکہ علماء میں سے بہت زیادہ اس کی بھی تکفیر کی طرف گئے ہیں کہ جو بھی اسلام کے مبانی یعنی ارکان اسلام میں سے کسی بھی چیز کا تارک ہو یعنی جس نے نماز چھوڑی وہ کافر ہے، جس نے زکوۃ چھوڑی وہ کافر ہے، جس نے حج چھوڑا وہ کافر ہے۔ البتہ امام احمد رحمہ اللہ کے اس بارے میں کئی اقوال ہیں یعنی جو ارکان اسلام میں سے کوئی چیز چھوڑتا ہے اس کی تکفیر کے

بارے میں بھی قول ہیں، اور ایسا بھی آپ کا قول ہے کہ وہ تکفیر نہیں کرتے سوائے اس کے جو نماز اور زکوٰۃ کا تارک ہو، اور آپ کا ایک قول صرف نماز کے تارک کی تکفیر کا ہے، اور ایک قول نماز کے تارک کی عدم تکفیر کا بھی ہے۔ کیوں کہ اس قسم کے جو امور ہیں یہ بہت پیچیدہ اور خطرناک ہیں۔ لہذا دونوں جانب کے جو دلائل ہیں بہت قوی ہیں، اور انسان ان میں اختلاف پاتا ہے مختلف اقوال میں اور نظریات میں اور آخر تک جو باتیں ہیں اس تعلق سے۔ چنانچہ امام الشافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایسا شخص کافر نہیں اور اس سے پہلے اس بات پر ان کا اجماع ہے یعنی متفق ہیں کہ جس نے نماز کو چھوڑا جحوداً اس کا انکار کرتے ہوئے اس کی فرضیت کا انکار کرتے ہوئے جو نماز کو چھوڑے گا وہ متفقہ طور پر کافر ہے۔ لیکن اگر اس نے کوتاہی کرتے ہوئے اور سستی کرتے ہوئے نماز کو چھوڑا تو جیسا کہ آپ نے سنا کہ وہ اس بات پر بھی تکفیر کرتے ہیں اگرچہ اس نے سستی اور کوتاہی میں اس کو چھوڑا ہو، وہ ان کی تکفیر کرتے ہیں۔

امام الشافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما اپنے ایک قول میں اور امام مالک رحمہ اللہ اور بہت سے آئمہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ کافر قرار نہیں پائے گا الا یہ کہ وہ اس کی فرضیت کا انکار کرتے ہوئے چھوڑے، لیکن اگر وہ اس کی فرضیت کا اعتراف کرتا ہے تو اس بارے میں ان کا اختلاف ہے: ان میں سے بعض اس کے قتل کی رائے رکھتے ہیں کہ اس کو قتل کیا جائے گا، اسے توبہ کا موقع دیا جائے گا مثلاً اگر وہ ظہر کی نماز چھوڑتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ نماز پڑھو اور اس کو کہتے رہیں گے یہاں تک کہ عصر کا وقت داخل ہو جائے اور وہ نماز پڑھنے سے انکار کیے رکھے تو پھر بطور

اصحابِ رسول اللہ ﷺ

اس امت میں اس کے نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل سیدنا ابو بکر الصدیق ہیں، پھر سیدنا عمر بن الخطاب، پھر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم ہیں۔ ہم ان تینوں کو مقدم کرتے ہیں جیسا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ نے انہیں مقدم فرمایا، اس میں انہوں نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔

پھر ان تینوں کے بعد پانچ اصحابِ شوری ہیں: سیدنا علی بن ابی طالب، الزبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد (بن ابی وقاص)، طلحہ رضی اللہ عنہم یہ سب خلافت کے لئے اہل تھے، اور یہ سب امام تھے۔ اس بارے میں ہم حدیث سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر چلتے ہیں:

"كُنَّا نَعُدُّ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ حَيٌّ وَأَصْحَابُهُ مُتَوَافِرُونَ: أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ

اسلامی حد کے اسے قتل کر دیا جائے گا، اور جن کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک بطور مرتد قتل کیا جائے گا، مرتدین کا جو قتل کیا جاتا ہے اس طور پر اس کو قتل کیا جائے گا۔

جب کہ جو دوسرے ہیں وہ اس کے قتل کا حکم دیتے تو ہیں مگر جو اسلامی حدود ہیں اس طور پر اس کو قتل کیا جائے گا، البتہ تمام آئمہ میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس کو قتل بھی نہیں کیا جائے گا ان کے نزدیک اسے قید کیا جائے گا، اسے ڈانٹ ڈپٹ کی جائے گی اور زدوکوب کیا جائے گا، تعذیب دی جائے گی یہاں تک کہ وہ نماز پڑھے یا اسی حال میں مر جائے۔

عُثْمَانُ، ثُمَّ نَسْكُتُ‘‘

(رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں جب آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم وافر مقدار میں موجود تھے ہم کہا کرتے تھے (بلحاظِ فضیلت و مرتبہ) ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان پھر خاموش ہو جاتے تھے)۔

[مسند احمد (تحقیق احمد شاکر): مسند عبداللہ بن عمر، حدیث رقم (4626)۔ رواه أحمد في "فضائل الصحابة" (108/1، برقم 58) مثله بسنده سواءً. ورواه أحمد في "الفضائل" عن إبن عمر من طرق، انظر: "الفضائل" برقم (53 و 54و 55و 56و 57). صحیح بخاری: کتاب فضائل الصحابہ، باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ، حدیث رقم (3655) اس میں ’’ثم نسکت‘‘ کے الفاظ نہیں اور حافظ ابن حجر نے اس کی شرح کے وقت اس کی اسانید کی طرف اشارہ فرمایا ہے، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب عثمان بن عفان ابی عمرو القرشی رضی اللہ عنہ، حدیث رقم (3697) اس میں بھی ’’ثم نسکت‘‘ کے الفاظ نہیں ہے مگر یہ اضافہ ہے ’’ثم نترک اصحاب النبی ﷺ لا نفاضل بینهم‘‘ (پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے)]

پھر ان اصحابِ شوریٰ کے بعد مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اہل بدر پھر انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اہل بدر، یعنی جو ہجرت و ایمان لانے میں سبقت کرنے میں اول تھے پس وہ (مرتبے میں بھی) اول ہیں۔

ان اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل ترین لوگ اس دور کے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔

اور جس کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کی خواہ ایک سال ہو، ایک مہینہ، ایک دن، ایک پل ہو یا صرف دیکھا ہی ہو تو وہ آپ ﷺ کے صحابہ میں سے ہے، اس کا صحابیت میں سے اتنا ہی حصہ ہے جتنی اس کی رسول اللہ ﷺ سے صحبت رہی، ان کے ساتھ سبقت کی، ان سے کچھ سنا، اور آپ ﷺ کی ایک جھلک بھی دیکھی ہو۔ پس ان میں سے جو ادنیٰ ترین صحبت کا بھی حامل ہو وہ اس دور والوں سے بہتر ہے جنہوں نے انہیں نہ دیکھا، چاہے وہ (بعد میں آنے والے) اللہ تعالی سے تمام اعمال (خیر) کے ساتھ ملاقات کریں۔ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی صحبت اختیار فرمائی، ان کا دیدار فرمایا اور ان سے سماعت فرمایا، جنہوں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان پر ایمان لائے اگرچہ ایک پل کے لئے ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنی صحبت کے اعتبار سے تابعین سے افضل ہے چاہے وہ (تابعین) تمام اعمال خیر ہی کیوں نہ بجالائیں[20]۔

---

[20] اس کی شرح کرتے ہوئے شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ فرمانا:

"اس امت کے سب سے افضل ترین اس امت کے نبی کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں"۔

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت ذکر ہو رہی ہے، اور صحابہ کرام کی فضیلت ثابت ہے کتاب اللہ سے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، مسلمانوں کے اجماع سے بھی سوائے جو اہل ضلالت اور گمراہی ہیں ان کے علاوہ جو کہ خوارج میں سے ہیں، روافض میں سے ہیں۔ پس قرآن ان کی تعریف بیان کرتا ہے اور ان کی قدر و منزلت اور اعلیٰ مرتبت کا ذکر کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (التوبۃ:100)

(وہ سابقین اولین مہاجرین اور انصار میں سے (جو صحابہ کرام ہیں) اور جنہوں نے ان کی اچھے طریقے سے پیروی کی اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں، اور ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی)۔

اور فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ (الحدید:10)

(تم میں سے برابر نہیں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور قتال

کیا،ان کا درجہ اعلیٰ وبلند ہے ان سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال کیا، اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک سے ہی اچھائی کا وعدہ ہے)

تو جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا سابقین اولین میں سے اللہ تعالیٰ نے ان سے حسنیٰ (اچھائی اور بھلائی) کا وعدہ فرمایا ہے، اور جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا تو ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدۂ حسنیٰ فرمایا ہے:

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾

(سب سے ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اچھائی کا وعدہ ہے)

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (الفتح:29)

(محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور جو ان کے ساتھی ہیں (صحابہ کرام) وہ کافروں پر سخت ہیں آپس میں بہت رحم دل ہیں، آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں، سجدے کی

حالت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کے چہروں پر ان کی نشانیاں سجدوں کے نشان ہیں تورات میں ان کی یہ مثال ونشانی بیان ہوئی ہے، اور انجیل میں ان کی نشانی یہ بیان ہوئی ہے جیسا کہ کھیتی ہے جس نے اپنی کونپل نکالی (یعنی دانے سے جو پہلی سوئی نکلتی ہے) پھر اسے مضبوط کیا، اور وہ موٹی ہو گئی تو وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی، کاشت کار کو وہ بہت بھلی لگتی ہے کہ جس کے ذریعے سے وہ کافروں کو غیظ وغضب دلاتا ہے)

اور اسی طرح سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا سورۃ الحشر میں فرمان ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر:8-10)

((مال فئی) ان فقراء اور مہاجرین کے لیے ہے جنہیں نکال دیا گیا ان کے گھروں سے اور ان کے مالوں سے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہیں وہ اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں، اور وہ لوگ جو اس سے پہلے ایمان اور گھر (مدینہ) میں جگہ بنا چکے (یعنی انصار) وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر

کے آئے ہیں، اور اپنے دل میں کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے اس چیز کی جو مہاجرین کو دی جاتی ہے، بلکہ وہ تو اپنے نفس پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود کتنے ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں، بات یہ ہے کہ جو اپنے نفس کے بخل و حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں، اور جو ان کے بعد آئے وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ہمارے دل میں کوئی کدورت اور رنجش نہ رکھ ان لوگوں کے لیے جو مومنین ہیں، اے ہمارے رب بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان اور رحم کرنے والا ہے)۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو دشمن ہیں روافض میں سے خوارج میں سے وہ ان کے بھائیوں میں سے نہیں ہیں، بلکہ ان کے دل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بھرے ہوئے ہیں نفرت ور نجش اور حسد و حقد سے، اور ان کے دلوں میں پائے جانے والے اس خباثت بھرے بغض اور حسد کے آثار ان کی زبانوں سے بھی ظاہر ہوتا رہتے ہیں اور ان کے قلم سے بھی لکھنے کی صورت میں کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر کرتے ہیں، ان کی مذمت اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

اور امام مالک رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے: ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (جس کے ذریعے سے وہ کافروں کو غیظ و غضب دلاتا ہے) اور اس فرمان سے: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔۔۔﴾ (اور

جو ان کے بعد آئے وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔۔۔)ان دو آیتوں سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ جو بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نفرت کرتا ہے غیظ و غضب کا شکار ہوتا ہے اس کا مال فئی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

[انظر "أصول السنة" للحميدي (آخر المسند 478/2)، و"أصول السنة" لإبن زمنين برقم (190) و "شرح أصول اعتقاد أهل السنة" للالكائي (1268/7-1269) و"حلية الأولياء" لأبي نعيم (327/6) و(112/9) و"الانتفاء" لابن عبدالبر (ص 36) و"شرح السنة" للبغوي (229/1) و"تاريخ دمشق" لابن عساكر (391/44) و"النهي عن سب الأصحاب" للضياء المقدسي (32و33) و"الشفاء" (46/2-47) للقاضي عياض]

یعنی مال فئی جو حاصل ہوتا ہے وہ ان کے لیے ہے جو ان کے بعد آئے اور وہ ان سے راضی ہوتے ہیں، ان کی قدر و منزلت کو پہچانتے ہیں اور ان کے لیے یہ قرآن کریم کی سکھلائی ہوئی دعاء کرتے ہیں کہ: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾

لیکن جو ایسا ہو کہ ان پر لعنت کرے، سب و شتم کرے اور ان کی تکفیر تک کرے تو یہ شخص مال فئی میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہے، بلکہ وہ کفر باللہ میں بھی داخل ہو سکتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تو کوئی بھی غصہ نہیں کرتا اور نفرت نہیں

کرتا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف مگر کافر، والعیاذ باللہ۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پھر (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ہم فضیلت دیتے ہیں) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو"۔

جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ:

"كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ"

(ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے ہی میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو قرار نہیں دیتے تھے، پھر ان کے بعد عمر، پھر ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہم پھر ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیتے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت کی بات نہیں کرتے)۔

[أخرجه البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم - باب مناقب عثمان بن عفان أبي عمرو القرشي رضي الله عنه، حديث رقم (3697)، و رقم (3655)]

علاوہ ازیں جو مجموعی نصوص ہیں اور جو باکثرت فضائل اس بارے میں وارد ہوئے ہیں کہ ان میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور جس طریقے سے ان کی

خلافت واقع ہوئی ہے (تو یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی طریقے سے اور اسی ترتیب سے فضیلت دیا کرتے تھے) تو انہوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فضیلت دی، پھر سیدنا عمر کو، پھر سیدنا عثمان کو اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہم کو۔ البتہ اس بارے میں اہل السنۃ میں پہلے کچھ اختلاف تھا کہ سیدنا علی یا عثمان رضی اللہ عنہما میں سے کون زیادہ افضل ہے؟ پھر یہ اختلاف ختم ہو گیا اور اس کے بعد اسی ترتیب کے اوپر اجماع ہو گیا اہل السنۃ والجماعۃ کا، کہ تمام لوگوں میں سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق ہیں، پھر سیدنا عمر ہیں، پھر سیدنا عثمان ہیں اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر اس کے بعد عشرۂ مبشرہ میں سے جو باقی کے ہیں (یعنی وہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو دنیا میں نام لے کر جنت کی بشارت دی گئی) (جو کہ ان چار خلفائے راشدین کے بعد یہ ہیں) سیدنا الزبیر بن العوام، طلحة بن عبيد الله ، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن أبي وقاص، سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل ، أبو عبيدة عامر بن الجراح، اس طریقے سے یہ مکمل دس ہو جاتے ہیں جن کے لیے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی گواہی دی، لہذا ہم بھی ان کے لیے جنت کی گواہی دیتے ہیں، اور ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں، اور ان کے علاوہ بھی باقی تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب ہی سے اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے، اور یہ سب کے سب ہی جنت میں ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر کے تعلق سے خصوصی طور پر نص بیان کی اور فرمایا:

''لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ، اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ''

(شاید کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مطلع ہوا اہل بدر پر اور فرمایا کہ جو چاہے کرو میں تمہیں بخش چکا ہوں)۔

[رواه البخاري، كتاب المغازي – باب من شهد بدراً، حديث رقم (3983). ومسلم، كتاب فضائل الصحابة – باب من فضائل أهل بدر رضي الله عنهم، حديث رقم (2494) من حديث علي رضي الله عنه]

اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوں گے اپنی اس مغفرت کے سبب سے۔ اسی طرح سے وہ بھی آگ میں داخل نہیں ہوں گے جنہوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی:

"لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ"

(ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس نے اس شجر (درخت) کے نیچے بیعت کی ہے)۔

[رواه مسلم، كتاب فضائل الصحابة – باب من فضائل اصحاب الشجرة أهل بيعة الرضوان رضي الله عنهم، حديث رقم (2496) من حديث جابر عن أم مبشر رضي الله عنها. رواه الترمذي، كتاب المناقب – باب فى فضل من بايع تحت الشجرة، حديث رقم (3860)، واللفظ له من حديث جابر بن عبدالله رضي الله عنهما]

اس سے مراد اہل حدیبیہ ہیں۔

اور یہ جو روایت میں نے پڑھی یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تو ہم اسی طریقے سے ترتیب دیتے ہیں: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے افضل ترین شروع کے چار ہیں، پھر عشرۂ مبشرین میں سے جو باقی ہیں وہ، پھر جنہوں نے بیعة العقبة والے ہیں، پھر اہلِ بدر پھر أهل بيعة الرضوان، پھر اس کے بعد باقی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، اور وہ اپنی فضیلتوں میں باہم متفاوت ہیں جیسا کہ امام رحمہ اللہ یہاں پر عنقریب ذکر فرمائیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پھر ان تین کے بعد پانچ اصحاب شوریٰ ہیں: علی ابن أبي طالب، طلحہ، الزبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن أبي وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل"۔

تو یہاں پر انہوں نے سعد کا ذکر کیا اور بعض نسخوں میں سعید کا ذکر ہے۔ بہر حال ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی چھ مکمل ہو جاتے ہیں۔

فرمایا:

"یہ سارے کے سارے ہی خلافت کے اہل تھے"۔

دیکھیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کیا خوب ان کی قدر پہچانتے تھے فرمایا کہ: "یہ سارے کے

سارے ہی خلافت کے اہل تھے"۔ کیوں؟ کیوں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہی مشورہ دیا تھا اور لوگوں کو کہا تھا:

"اخْتَارُوا مِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ اخْتِيرَ مِنْ هَؤُلَاءِ فَهُوَ خَلِيفَة"

(یہ جو میں نے منتخب کر لیے ہیں ان ہی میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو، جسے ان میں سے اختیار کر لیا جائے گا وہی خلیفہ ہو گا)۔

[انظر "صحيح البخاري"، كتاب فضائل الصحابة – باب: قصة البيعة، والانفاق على عثمان بن عفان رضي الله عنه الحديث برقم (3700)]

تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خلافت کے لیے ان کے نام تجویز کرنے یہ بات اخذ فرمائی ہے کہ یہ سب ہی امام تھے، اور یہ سب ہی خلافت کی اہلیت رکھتے تھے۔

آگے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اس بارے میں ہم حدیث سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر چلتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم وافر مقدار میں موجود تھے ہم کہا کرتے تھے (بلحاظِ فضیلت و مرتبہ) ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان پھر خاموش ہو جاتے تھے"۔ پھر ان اصحابِ شوریٰ کے

بعد مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اہل بدر"۔

ایک بات یہ بھی ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اہل السنۃ نے جب اس کو اچھے طریقے سے پڑھا اور مختلف دلائل کو جمع کیا، ان کی جانچ کی تو سیدنا علی ابن أبی طالب رضی اللہ عنہ کے بھی بہت ہی زیادہ فضائل وارد ہوئے ہیں، اسی طرح سے جو بیعت لینے کے واقعات تھے وہ، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آپ کو اختیار کرنا اور آپ کی بیعت کرنے سے آپ خلافت اور فضیلت کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر آتے ہیں۔

فرمایا:

"پھر اس کے بعد اصحاب الشوریٰ ہیں اہل بدر میں سے جو مہاجرین ہیں اور پھر انصار میں سے جو اہل بدر ہیں"۔

بعض لوگ جو اہل بیعت العقبہ ہیں ان کو فضیلت دیتے ہیں اہل بدر پر، البتہ جنہوں نے بیعت عقبہ کی تھی ان میں سے اکثر تو خود بدر میں شریک ہوئے تھے۔

فرمایا:

"پھر فضیلت دیتے ہیں بقدر ان کی ہجرت کے اور اول اسلام لانے کے اعتبار سے"۔

چنانچہ جو بدری صحابی ہیں ان کا آپس میں بھی فضیلت میں تفاوت ہے، اسی طریقے سے اہل

بیعت العقبہ ہیں ہیں وہ بھی فضیلتوں کے اعتبار سے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، اور مہاجرین میں بھی باہمی بھی تفاوت ہے فضیلت میں اور انصار میں سے بھی بقدر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں علم اور فضیلت دیا اور جو کچھ انہوں نے جان اور مال کی اسلام کے لیے قربانیاں دیں اسی بقدر وہ آپس میں فضیلتیں رکھتے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کے بعد جو افضل ترین لوگ ہیں''۔

یعنی ان دس کے بعد، اور اہل بدر و بیعت حدیبیہ وغیرہ کے بعد۔

فرمایا:

''ان اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل ترین لوگ اس دور کے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ اور جس کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کی خواہ ایک سال ہو''۔

یعنی یہ صحبت میں ان سے کم ہے جن کا ان سے پہلے ذکر کیا گیا، اور ان کے جہاد و غزوات میں مشارکت میں بھی ان سے کم ہیں، چناچہ وہ منزلت میں ان سے کم ہیں، لیکن ان صحابہ کرام کو صحبت حاصل ہو جانا ہی اکیلی اتنی عظیم منزلت ہے کہ بعد میں آنے والے جو تابعین ہیں اگرچہ

وہ کتنے ہی اعمال خیر کیوں نہ لے کر آجائیں پھر بھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

فرمایا:

''اور جس کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کی خواہ ایک سال ہو، ایک مہینہ، ایک دن، ایک پل ہو یا صرف دیکھا ہی ہو''۔

شیخ ربیع حفظہ اللہ فرماتے ہیں یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف سے صحبت کی تعریف ہے اور کسی کو صحابی کا مرتبہ کس طرح ملتا ہے، چنانچہ ایک سال یا مہینہ، دن یا گھنٹہ ساتھ گزارنا تو دور کی بات رہا اگر محض ایک لحظہ ہی کیوں نہ دیکھا ہو تو اس سے یہ صحابیت حاصل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ صحابی کی تعریف جس طرح آپ نے جانا جو صحیح ترین تعریف ہے وہ یہ ہے کہ:

''من رأى النبی صلى الله عليه وسلم مؤمنا به ومات على الاسلام''

(جس کسی نے بھی رسول اکرم ﷺ کو دیکھا، آپ پر ایمان لانے کی حالت میں اور اسلام کی حالت میں اس کی وفات ہوئی)۔ بس دیکھا ہی ہوا گرچہ آپ سے روایت نہ کی ہو حدیث کی تو بھی وہ صحابی ہے اور وہ یہ عظیم رتبہ پالیتا ہے، اور وہ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان میں داخل ہو جاتا ہے، فرمایا کہ:

''لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ

مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ"

(میرے صحابہ کو سب وشتم نہ کرو، کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے جتنا بھی سونا خرچ کیوں نہ کر دے، وہ ان کے ایک مد یا اس کے نصف تک کو بھی نہیں پہنچ سکتا)۔

[رواه البخاري، كتاب فضائل الصحابة – باب قول النبي ﷺ: "لو كنت متخذاً خليلاً"، حديث رقم (3673). ومسلم، كتاب فضائل الصحابة – باب تحريم سب الصحابة، حديث رقم (2541)، وكلاهما من حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه]

ان شاءاللہ وہ سارے کے سارے اس عظیم مرتبت پر فائز ہیں۔

فرمایا:

"تو وہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے ہے"۔

اگرچہ محض صرف دیکھا ہی کیوں نہ ہو ایک دیدار ہی کیوں نہ کیا ہو ایمان کی حالت میں تو۔۔۔

"اس کو اسی قدر صحابیت کا درجہ حاصل ہے جتنی اسے صحبت حاصل ہے"۔

یعنی لا محالہ اسے صحبت حاصل ہے اور وہ صحابی کہلائے گا جس قدر بھی اس نے صحبت اختیار کی ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم جنہوں نے جو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ

ہجرت بھی کی اور مکہ اور مدینہ میں رہے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کیا خرچ کیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور آخر تک جو کارنامے انہوں نے انجام دیے تو ظاہری بات ہے کہ یہ دوسروں سے افضل ہیں، اور اسی طریقے سے دیکھتے چلے جائیں جیسے جیسے اسلام میں داخل ہوتے گئے، ساتھ وقت گزارا، مختلف امور میں جدوجہد کرتے گئے وہ اپنے سے بعد میں آنے والوں سے افضل بنتے گئے یہاں تک کہ ان کے آخری تک جو فتح مکہ کے بعد اسلام میں داخل ہوئے ان میں سے بھی جس کسی نے ایک پل ہی کیوں نہ دیکھا ہو ایک لحظہ تو وہ بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں داخل ہے اور صحبت کے اس شرف کو پانے والا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس کا صحابیت میں سے اتنا ہی حصہ ہے جتنی اس کی رسول اللہ ﷺ سے صحبت رہی، ان کے ساتھ سبقت کی، ان سے کچھ سنا، اور آپ ﷺ کی ایک جھلک بھی دیکھی ہو۔ پس ان میں سے جو ادنیٰ ترین صحبت کا بھی حامل ہو وہ اس دور والوں سے بہتر ہے جنہوں نے انہیں نہ دیکھا، چاہے وہ (بعد میں آنے والے) اللہ تعالیٰ سے تمام اعمال (خیر) کے ساتھ ملاقات کریں"۔

پس جو ادنیٰ ترین صحابی بھی ہے کسی تابعی سے افضل ہے اگرچہ وہ تمام اعمال اور خیر کی انواع لے کر آئے پھر بھی وہ صحابی کی اس فضیلت تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیوں کہ اگر ہم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا ہی کیوں نہ خرچ کر دے تو وہ کسی صحابی کے ایک مد (ایک مٹھی بھر) یا اس کے نصف تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس ہم جتنا بھی اجتہاد، کوشش اور محنت کر لیں اعمال میں تو وہ ان

کے ایک مد تک نہیں پہنچ سکتے، تو پھر اس وقت کیا تقابلہ ہو گا جب وہ صحابی خرچ بھی کریں اللہ کی راہ میں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایسے بھی تھے جو خوب مال خرچ کرتے، اور بعض تو ایسے ہیں جو اپنے کل مال کا آدھا لے آئے، اور بعض نے پورے کا پورا لشکر تیار کرنے کی ذمہ داری خود لے لی جس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اور مختلف طریقے سے وہ سب اپنے اموال فی سبیل اللہ خرچ کرتے رہے۔ چنانچہ اگر وہ ایک کھجور بھی اللہ کی راہ میں دیں یا ایک مد کا آدھا ہی کیوں نہ دیں، یا جو کچھ بھی وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیں صحابیت کے وجہ سے ان کے بعد میں آنے والے ان کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتے خواہ کتنا ہی خرچ کر لیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے دے:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (المائدۃ:54)

(یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطاء فرماتا ہے)

تو یہ امام (یعنی اہل السنۃ امام احمد رحمہ اللہ) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قدر و منزلت کو جانتے ہیں، تو ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم ان کی قدر و منزلت کو جانیں، اور یہ عقیدہ رکھیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد وہ افضل ترین لوگ ہیں۔ انسانیت نے اپنی پوری تاریخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ان جیسی شخصیات نہیں دیکھیں۔ ان کے جیسا، ایمان، یقین، اخلاص، جہاد، قربانی دینا اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں دیکھا تاریخ نے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے دلوں کو جیت لیا، معاشروں کو انہوں نے فتح کیا، ان کے ذریعے سے امتیں روشن اور منور ہو گئیں جو کچھ انہوں

نے رسول اکرم ﷺ سے آگے تک پہنچایا اس کے ذریعے سے، اور ان کے اس دین کی مدد و نصرت کے لیے جہاد کرنے ذریعے سے۔ تو وہ ہماری جانب سے اسی بات کے مستحق ہیں کہ ہم ان کا ہر قسم کا اجلال اور اکرام کریں اور مکمل احترام کے جتنے تقاضے ہیں ان کو پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! ان کی خاطر ہم لوگوں سے الولاء والبراء (محبت اور نفرت) تک کرتے ہیں۔

تو یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل السنۃ ان کی قدر شناسی کرتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ:

جس نے ایک صحابی کی بھی شان میں تنقیص کی تو وہ زندیق ہے۔ یہاں صرف تنقیص کی بات ہے، تو اس کا کیا حال ہو گا جو انہیں سب و شتم، طعن و تشنیع اور تکفیر تک کرتا ہو؟ جس نے صحابی کی شان میں تنقیص کی تو وہ رافضی خبیث ہے۔ اور ہمارے بھائیوں یہ بات حق ہے اور یہ بات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزت کا دفاع کرنے میں شامل ہے۔ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے، اور ان سے جنت کا وعدہ فرما چکا ہے، ان کا تزکیہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دیا ہے اور انہیں اس عظیم منزلت پر اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس کی معرفت رکھتے تھے جو قدر و منزلت ذکر کی گئی ہے، اور تابعین عظام رحمہم اللہ بھی ان کی اس قدر و منزلت کو پہچانتے تھے اور جتنے بھی علماء ہیں اس امت کے سابقین اور لاحقین ہیں سب اس قدر و منزلت کو اس مرتبے کو جانتے اور مانتے ہیں۔ ان کے بعد یہی لوگ رہ جاتے ہیں جو بے وقعت قسم کے، جاہل، گمراہ اور زندیق لوگ ہیں جو ان سے نفرت اور بغض رکھتے ہیں۔

اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''عَلَامَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ وَعَلَامَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ''

(نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے اور ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا ہے)۔

[ثبت مرفوعاً عن النبي ﷺ من حديث أنس بن مالك رضی اللہ عنہ بلفظ: "آية الإيمان حب الأنصار وآية النفاق بغض الأنصار". رواه البخاري في كتاب الإيمان – باب علامة الإيمان حب الأنصار، برقم (17). ومسلم في كتاب الإيمان – باب الدليل على أن حب الأنصار وعلي رضی اللہ عنہم من الإيمان وعلاماته وبغضهم من علامات النفاق، برقم (74)]

تو پھر مہاجرین کا کیا حال ہو گا! بلاشک وہ افضل ہیں انصار سے تو ان کی محبت تو بالاولیٰ ایمان کا حصہ ہے اور ان سے بغض تو نفاق کی بالاولیٰ نشانی ہے۔ اور اس کا کیا حال ہو گا جو اپنی بغض اور نفرت اور عداوت کی ابتداء ہی سب سے افضل ترین سے کرتا ہے یعنی سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اور ان کے دیگر بھائی صحابہ کرام کے سرداروں سے کرتا ہے۔

یعنی ان لوگوں کے نزدیک ابن سبا یہودی کی اتباع کرنے والے افضل ہیں سیدنا ابو بکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے ماشاء اللہ! یعنی روافض و خوارج کے عقیدے کے مطابق ابن سبا یہودی کے پیروکار جو اس کے مدرسے سے تربیت پائیں وہ مدرسۂ محمد ﷺ سے تربیت والے والوں سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کرے۔ یہ سارے کے سارے یعنی رافضی ہوں یا خارجی یہ ابن

حکمرانوں کی اطاعت کرنا

امیر المؤمنین جو خلافت پر والی و متمکن ہو جائے اور لوگ اس پر مجتمع ہو کر راضی ہو جائیں، یا پھر جو تلوار کے زور پر غالب ہو جائے یہاں تک کہ (اپنے آپ) خلیفہ بن بیٹھے، اور امیر المؤمنین

سبائیہودی کے مدرسے سے ہی فارغ لوگ ہیں، جنہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت پر لوگوں کو ابھارا، اور ان ہی میں سے بعد میں خوارج اور روافض نکلے چنانچہ یہ سارے کے سارے تلامیذ و شاگرد ہیں ابن سبا یہودی کے۔ تو ان کے مذہب کے مطابق (اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے) ابن سبأ نے تو اپنے مدرسے سے زیادہ اچھے لوگ متخرج کیے ماشاء اللہ مومنین! جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدرسے سے جو صحابہ فارغ ہوئے روافض (اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے) کے قول کے مطابق سوائے تین، چار یا دس ہی مومن تھے اور باقی سب صحابہ تو ان کے نزدیک کفار ہیں۔ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر کرتا ہے وہ کافر ہے، کیوں کہ وہ قرآن وسنت کی تکذیب کرتا ہے انہیں جھٹلانے ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت میں تو بہت سارے نصوص ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف اور مدح سرائی بیان کرتے ہیں، ان کی قدر و منزلت جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اس کا ذکر کرتے ہیں، اور یہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کی پیروی کرنے والوں سے راضی ہوا، اور سب سے اچھائی کا وعدہ فرمایا جو کہ جنت ہے۔

اے اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمنان کو تو پکڑ لے۔

(مسلمانوں کا حکام) کہلایا جانے لگے تو اس کا حکم سننا اور اطاعت کرنا ہے خواہ نیک ہو یا بد[21]۔

---

21 سمع واطاعت، آئمہ اور امیر المؤمنین کے لیے ثابت ہے واجب ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بُرے ہوں، اور جس پر امت جمع ہو اور وہ خلیفہ کے مرتبے تک پہنچ جائے بھلے وہ تلوار کے ذریعے پہنچا ہو یعنی پہلے جو امام، حکمران موجود تھا اس کے خلاف اس نے خروج کیا اس پر وہ غالب آ گیا پھر اس کی حکومت قائم ہو گئی تو پھر اس صورت میں اس کے اوپر خروج جائز نہیں ہے، کیوں کہ آپ اس پر دوسری مرتبہ خروج کریں گے، پھر تیسرا خروج، پھر چوتھا خروج اور یہ چلتا رہے گا اور امت اس کشمکش اور جھگڑے کی حالت میں ہی رہے گی ایک خارج ہونے والے دوسرے خارج ہونے والوں تک، تو اس طرح نہیں ہونا چاہیے۔ اصل اصول یہ ہے کہ خروج جائز نہیں۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس شخص کو آپ پر مسلط کر دیتا ہے کہ جس نے خروج کیا تھا اور اسے جیت حاصل ہو جاتی ہے حکومت کے خلاف، اسے توڑ کر منہدم کر کے وہ نئی حکومت قائم کر لیتا ہے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسی حد پر وہ رُک جائیں اور اس غالب آنے والے کی قیادت کو تسلیم کر لیں۔

اور یہ جو غالب ہونے والا ہے اس کے لیے برابر ہے خواہ وہ اختیار کے ذریعے ہو یا شوریٰ یا بیعت کے ذریعے یا پھر غلبے کے ذریعے زبردستی ہی کیوں نہ مسلط ہو گیا ہو، وہ امارت تک تلوار کے ذریعے پہنچ گیا ہو، اس کی حکومت شان و شوکت قائم ہو گئی اور اس کی قوت اس کے پاس آ گئی (بارك الله فيكم) تو پھر واجب ہے کہ اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جائیں اور اسے تسلیم

کر لیا جائے تاکہ مسلمانوں کا خون ہونے سے بچایا جائے، اور اس میں یہ بھی برابر ہے کہ خواہ وہ نیک انسان ہو یا بُرا واجب ہے اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرنا۔

آپ دیکھیے امام احمد رحمہ اللہ کی طرف، امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف اور دیگر تمام آئمہ اسلام کی طرف ان سب نے اسے اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصول گنا ہے یعنی:

"مسلمانوں کے حکمرانوں کی طاعت اور فرماں برداری کرنا اصول اسلام میں سے ایک اصل ہے اور خواہ وہ نیک ہوں یا بُرے ہوں"۔

جب کہ جو خوارج اور روافض وغیرہ لوگ ہیں وہ اس چیز میں موافقت کرتے ہیں اور کریں گے کہ اگر نیک خلیفہ یا امام حکمران ہو لیکن اگر وہ فاجر ہو اور بُرا ہو تو وہ اس میں موافقت نہیں کریں گے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روافض کے نزدیک نیک نہیں ہیں، اور اسی طریقے سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک نیک خلیفہ نہیں ہیں، جبکہ خوارج کے نزدیک سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نیک خلیفہ نہیں تھے، لیکن جو حاکم نیک ہوتا ہے اس میں وہ آپ سے اختلاف نہیں کریں گے، اختلاف کریں گے فاجر اور بُرے خلیفہ میں یعنی جو بُرا ہے بدکار ہے ظالم ہے فاسق ہے ہمارے نزدیک جب تک وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے جائز نہیں ہے اس کے اوپر خروج کیا جائے خواہ کسی بھی صورت میں کسی بھی حال میں ہو۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں جن میں سے یہ حدیث بھی ہے کہ:

''بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّم عَلَى السّمْعِ وَالطّاعَةِ فِي العُسْرِ وَاليُسْرِ وَالمَنْشَطِ وَالمَكْرَهِ وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَأَلَّا نُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَهُ حَتَّى تَرَوْا كُفْراً بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ''

(ہم نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے کی خواہ خوش حالی میں ہو یا مشکلات وبدحالی میں ہوں، خواہ ہم چاق وچوبند وچستی کی حالت میں ہوں یا ناپسندیدگی کے عالم میں ہوں، اور اگرچہ ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے (پھر بھی سمع وطاعت کریں گے) اور حکومت والوں سے حکومت کے بارے میں تنازع نہیں کریں گے، الا یہ کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو ان کے پاس اور تمہارے پاس اس بارے میں واضح دلیل وبرہان ہو اللہ تعالی کی طرف سے)۔

[رواه البخاري في كتاب الفتن – باب قول النبي ﷺ: "سترون بعدي أثرة"، حديث رقم (7056) ومسلم، كتاب الإمارة – باب وجوب طاعة الأمراء في غيرمعصية وتحريمها في المعصية، حديث رقم (1709) جميعاً من رواية عبادة بن الصامت رضي الله عنه]

لہذا اس پر خروج جائز نہیں اگرچہ کتنا ہی فسق وفجور بڑھ جائے یہاں تک کہ کفرِ بواح (کھلم کھلا کفر) نہ دیکھو۔

یا جیسا کہ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

''إِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ، وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ. قَالُوا ،أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟قَالَ: لَا، مَا صَلَّوْا''

(تم پر ایسے حکمران و گورنر مقرر ہوں گے جن کی بعض باتیں صحیح لگیں گی تمہیں اور بعض منکر لگیں گی پس جس نے انکار کیا وہ سلامت رہا، اور جس نے ناپسند کیا ان چیزوں کو تو وہ بھی بَری ہو گیا، لیکن جو راضی ہو گیا اور پیروی کی (تو یہ ہلاک ہونے والا ہے) تو انہوں نے عرض کی کہ: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان کے خلاف قتال نہیں کریں؟ تو فرمایا کہ: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں)۔

[رواه مسلم، كتاب الإمارة – باب وجوب الإنكار على الأمراء فيما خالفوا الشرع، وترك قتالهم ما صلوا ونحو ذلك، حديث رقم (1854)]

جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں ان پر خروج کرنا جائز نہیں ہے تو پھر اس وقت کیا حال ہو گا کہ جب حکمران نماز بھی پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے، زکوٰۃ بھی دیتا ہے، حج عمرے بھی کرتا ہے، اور مسلمانوں کے لیے یہ جتنے بھی امور ہیں ان میں امن وامان کا انتظام کرتا ہے، راستوں کی حفاظت کا انتظام کرتا ہے اور آخر تک جو سہولیات وہ مہیاء کرتا ہے؟!

پھر آج ہم ان موجودہ انقلابی لوگوں کے تعلق کس نہج پر ہیں؟ اور خود یہ انقلابی لوگ رسول

اکرم ﷺ کے اس فرمان سے کس ڈگر پر ہیں؟! فرمایا کہ: ''نہیں کرنا (کسی بھی طریقے کا خروج) جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں''۔ رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا کہ: ''لَا، مَا صَلَّوْا'' اس کے باوجود کہ وہ اسلام کی بہت ساری چیزوں میں کوتاہی کا شکار ہوں لیکن فرمایا کہ: ''نہیں کرنا جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں'' یہ نہیں فرمایا کہ وہ نماز قائم کرتے ہوں، زکوۃ ادا کرتے ہوں، حج کرتے ہوں آخر تک۔ صرف اتنا فرمایا کہ: ''لَا، مَا صَلَّوْا''۔ کیوں؟ کیوں کہ جو خروج ہے ان کے خلاف اس کے نتیجے میں بہت سے مفاسد اور فساد مرتب ہوتے ہیں: اسلام کا ضیاع ہوتا ہے، اور مسلمانوں کا اور امت کا ضیاع اور ہلاکت ہوتی ہے، اور کھیتیاں اور نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں، عزتیں پامال ہوتی ہیں، مسلمان ذلیل ہوتے ہیں کمزور ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ دشمنوں کے لیے تر نوالہ بن جاتے ہیں (پھر وہ ان پر حملہ کر کے انہیں تباہ کر دیتے ہیں) یہ ایک خروج کا نتیجہ ہے پھر خروج در خروج در خروج ہوتا جائے بار بار تو کیا حال ہو گا۔۔۔

اسی لیے اے میرے بھائیو! یہ جو انقلابی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ان کی جہاں کہیں حکومت قائم ہوتی ہے بھلے انقلابات کے ذریعے ہو یا انتخابات کے ذریعے ہو یا فلاں فلاں طریقے سے ہو یہ اس کے بعد کیا کارنامے انجام دیتے ہیں؟ جتنے وہ نعرے اسلام کے بلند کیا کرتے تھے اس میں سے یہ کس کو عملی جامہ پہناتے ہیں؟

عقل مند دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ تمام لوگوں سے شریعت اسلامیہ کو نافذ کرنے اور اس تطبیق

کرنے سے بعید ترین لوگ ہیں۔ بلکہ جو حکام ہیں ان سے زیادہ بڑھ کر یہ لوگ منحرف ہوتے ہیں جن کو یہ ہٹا کر آئے ہوتے ہیں کہ یہ لوگ وحدۃ ادیان کی کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں، چرچ بناتے ہیں اور نصاریٰ کو اپنے قریب لاتے ہیں، مسلمانوں کو ذلیل کرتے ہیں اور فقر وفاقہ میں مبتلا کرتے ہیں، ان کو ان کے دین اور دنیا کے تعلق سے ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ لوگ انتخابات کے ذریعے پہنچتے ہیں یا انقلابات کے ذریعے یا مختلف طریقوں سے اور ان وزارتوں میں شراکت حاصل کر کے یہ ساری کی ساری یہ جو باتیں ہمیں بتایا کرتے تھے سب فضول اور فارغ کلام ہے، انہیں کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے دوسروں کے اوپر (جنہیں یہ غیر اسلام پسند کہتے ہیں)۔

اسی لیے ہم ان پر بالکل اعتماد نہیں کرتے ان کا سارا زور اور ساری فکر کرسیوں تک پہنچنا ہوتا ہے حکومت کی کسی بھی طریقے سے، اس کے بعد یہ لوگ اسلام سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں! جیسا کہ آپ نے اس کا تجربہ کیا اور جانتے ہیں کہ مختلف ممالک میں اس طریقے سے ہوتا رہا کہ کبھی اسلام کے انقلاب کے نام پر یہ لوگ آتے ہیں تو بعد کوئی کمیونسٹ یا کوئی بھی گمراہ آکر ان کا کایہ پلٹ دیتا ہے۔

چنانچہ جو حکمت ہے اس حکیم شریعت کی جو پُر حکمت شریعت ہے، انتہائی شفقت اور رحمت والی شریعت ہے، ساتھ میں شجاعت اور بہادری والی بھی شریعت ہے جو امت کی بہادری اور شجاعت پر تربیت کرتی ہے اس کے باوجود اس باب میں انہیں اس کی یہی رہنمائی ہے کہ: صبر

کرو جتنی بھی برائیاں دیکھتے رہو حکمرانوں میں جب تک کفر نہ ہو۔

میں بعض احادیث یہاں پر ذکر کرتا ہوں تاکہ آپ انہیں نوٹ کر لیں:

1-سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ، قَالُوا: وَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ“

(بنو اسرائیل کی قیادت ان کے انبیاء کرام علیہم السلام کیا کرتے تھے، جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا تھا تو دوسرا نبی اس کی جگہ آ جاتا، اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں، ہاں، خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کی کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: اس حکمران کی بیعت سے وفا کرو جس کی سب سے پہلے بیعت کی ہے اور انہیں ان کا حق دو، کیونکہ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان سے عنقریب سوال کرنے والا ہے ان کی رعیت کے متعلق)۔

[رواه البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء – باب ماذكر عن بني إسرائيل، حديث رقم (3455) ومسلم، كتاب الإمارة – باب وجوب الوفاء ببيعة الخلفاء الأول فالأول، حديث رقم (1842)]

ہمارے لیے کافی ہے کہ بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان سے سوال کرنے والا ہے ان کی عوام کے تعلق سے، یہ نہیں کہا کہ تم ان کا محاسبہ کرو، ان کے خلاف انقلاب برپا کرو، ان کے خلاف خروج کرو اور اپنا حق لے لو۔ کیوں کہ بعض انقلابی لوگ بلکہ ان کے جو بڑے بڑے لیڈر ہوتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم اس انتظار میں نہیں بیٹھے رہیں گے کہ آسمان سے ہماری طرف کوئی آسانی آئے بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم اٹھ کر خود ہی اپنا حق چھین لیں۔اے عوام! اٹھو اور اپنے ہاتھوں سے اپنا حق چھین لو، کوئی بھی ہاتھ بڑھا کر تمہیں تمہارا حق نہیں دلوائے گا۔

تو انہیں اللہ تعالیٰ کے دین پر کوئی غیرت نہیں ہے اور نہ ہی امت پر (جس طرح بظاہر ان کی باتوں اور ان کی حرکتوں سے لگ رہا ہوتا ہے) کیوں کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر غیرت مند تھے، جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ (نے اپنی غیرت کا مظاہرہ کیا تو) آپ ﷺ نے فرمایا:

''وَاللهِ! أَنَا أَغْيَرُ مِنْكَ وَاللهُ أَغْيَرُ مِنِّي''

(اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے)۔

یہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے تب کہا تھا جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہا:

''أَرَأَيْتَ إِذَا وَجَدْتُ رَجُلًا مَعَ زَوْجَتِي آتِي بِأَرْبَعَةِ شُهُود؟! وَاللهِ! لأَضْرِبَنَّهُ

بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ، قال: أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ؟ وَاللهِ! لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللهُ أَغْيَرُ مِنِّي، مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ"

(اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھوں تو میں کیا چار گواہ لے کر آؤں گا؟! بلکہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تو اس کی گردن اڑادوں گا تلوار کی دھار کے ساتھ ہی فوراً اسی وقت، تو فرمایا رسول اکرم ﷺ نے: کیا تم لوگ سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت سے تعجب کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فحاشی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے)۔

[رواه البخاري، كتاب التوحيد – باب قول النبي ﷺ: "لاشخص أغير من الله"، حديث رقم (1842) ومسلم، كتاب اللعان، حديث رقم (1499)، جميعاً من رواية المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ]

چنانچہ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے دین کے تعلق سے بڑے ہی غیرت مند تھے اور اس بات کی بھی خوب غیرت رکھتے تھے کہ یہ منکرات اور فواحش عام ہوں، ہم سے زیادہ غیرت رکھتے تھے۔

اس کے باوجود (برے حکمرانوں کے تعلق سے) یہ فرمایا:

"پھر بھی انہیں ان کا حق دو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرنے والا ہے ان کی عوام کے تعلق

سے"۔

آپ نہیں ہیں ان کا محاسبہ کرنے والے البتہ انہیں نصیحت کریں معروف طریقے سے اور معروف واچھائی کی نصیحت کریں اگر وہ آپ سے سنتا ہے تو الحمد للہ بصورت دیگر آپ کے ذمہ جو واجب تھا آپ نے اس کی ادائیگی کر دی اور آپ عہدہ براء ہو گئے، اس کے بعد آپ کو اس پر صبر کرنا ہے جب تک وہ نماز پڑھتا ہے۔ یہ باتیں ہم اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہے ہیں لیکن پھر بھی یہ باتیں ان لوگوں کی سماعت پر ان کے نفسوں پر بہت شاق گزرتی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالی کا تو یہ فرمان ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: 65)

(نہیں ہر گز آپ کے ربّ کی قسم! یہ لوگ ایمان والے نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ جتنے بھی آپس میں جھگڑے اور تنازعات ہیں ان میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں، پھر اس سے اپنے دلوں میں کوئی حرج اور تنگی محسوس نہ کریں جو بھی فیصلہ آپ کریں، اور مکمل طریقے سے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں)

یہ لوگ حاکمیت کے نعرے لگاتے رہتے ہیں پھر ان معاملات میں خود اللہ تعالی کو حاکم تسلیم نہیں کرتے نہ ہی رسول اکرم ﷺ کو فیصل مانتے ہیں۔ اہل بدعت حلول اور وحدۃ الوجود کی باتیں کرتے ہیں، امت کی تکفیر کرتے پھرتے ہیں، اور خلق قرآن کے قول کے قائل ہیں اس

بارے میں تو وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور حکم کا نفاذ نہیں کرتے، نہ ہی اس قسم کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی جانب رجوع سے یہ لوگ راضی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ تمام لوگوں سے بڑھ کر دور ہیں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے نفاذ سے ''لَا حُكْمَ إِلاَّ للهِ، لَا حُكْمَ إِلاَّ للهِ'' چلاتے رہتے ہیں کہ نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ تعالیٰ کا! حالانکہ وہ سب سے زیادہ تکبر کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور رسول اکرم ﷺ کو حاکم اور فیصل بنانے سے۔ ان احادیث میں جو ذکر کی گئی ہیں یہ تو رسول اکرم ﷺ کے فرامین ہیں، رسول اکرم ﷺ نے جو رہنمائیاں اور ہدایات ارشاد فرمائی ہیں ان کی طرف سر تک اٹھا کر دیکھنا انہیں گوارا نہیں بلکہ ان کے نزدیک گویا کہ اس قسم کی احادیث پر عمل کرنا نعوذ باللہ کفار اور ملحدوں کی تائید کرنا ہے۔

2- پھر یہ حدیث ہے زید ابن وہب سے روایت ہے وہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا''

(میرے بعد عنقریب ایسا ہو گا کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی اور ایسی بھی باتیں ہوں گی جنہیں تم منکر جانو گے)۔

أثرۃ یعنی مال کے ذریعے اور مختلف عہدوں اور مناصب کے ذریعے ان ہی کو نوازنا جو ان کی تائید کرتے ہیں ان کے ساتھی ہیں ان کے حاشیہ نشین اور قرابت دار ہیں الغرض اقرباء پروری

کی جائے گی جب کہ عوام بھوک اور فقر فاقہ میں زندگی بسر کر رہے ہوں گے۔ تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے اس صورت میں؟ حالانکہ یہ ظلم ہے اور یہ ''حکم بغیر ما أنزل الله''(اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف حکم) ہے، اس کے باوجود نبی رحمت ﷺ نے کیا فرمایا؟ وہ نبی کہ جن کے اوپر ہی یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ:44)

(اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکم نہیں کرتے، پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں)

تو ایسے لوگوں کے تعلق سے رسول اکرم ﷺ نے کیا فرمایا؟

کیا آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے دین کا زیادہ علم رکھتے ہیں رسول اکرم ﷺ سے، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور آئمہ ہدایت جو ہر زمان و مکان میں تھے ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں؟

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد عنقریب حق دار کو کسی دوسرے پر ترجیح دی جائے گی اور ایسے امور بھی دیکھو گے جن کو تم منکر جانو گے)۔

ایسے ایسے امور جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! آپ

ہمیں کیا حکم دیتے ہیں ہم میں سے جو ان حالات کو پالے؟ فرمایا:

''تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِی عَلَیْکُمْ وَتَسْأَلُونَ اللهَ الَّذِی لَکُمْ''

(تم وہ حق انہیں ادا کرو جو تمہارے ذمہ بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کا مطالبہ کرو)۔

[رواه البخاري، كتاب المناقب – باب علامات النبوة فى الإسلام، حديث رقم (3603) ومسلم، كتاب الإمارة – باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الأول فالأول، حديث رقم (1843)]

یہ نہیں کہ جا کر ان سے تصادم شروع کر دو اور مظاہرات شروع کر دو؟ ان کا تو ایک دن یا کچھ وقت کے لیے پانی بند ہو جائے تو لوگ سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور مظاہرے شروع کر دیتے ہیں۔ آج کل اکثر جو حکومتیں ہیں وہ عوام سے کچھ زیادہ نہیں لیتیں بہت قلیل لیتی ہیں مگر ساری ذمہ داریاں ان کے ذمہ ہوتی ہیں اور وہ دیتی رہتی ہیں، جبکہ حدیث میں ہے کہ وہ سب مال ہڑپ کر جاتے ہیں اور اپنوں کو نوازتے ہیں مال سے منصب سے، کوئی چیز نہیں دیتے عوام کو غربت اور فقر میں ہی دھکیل دیتے ہیں۔ لیکن اگر یہ کہا جاتا کہ: ان کے خلاف خروج کرو نکل کھڑے ہو تو اس کا نتیجہ امت کی ہلاکت و بربادی ہوتا۔ تو پھر ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ شریعت نے جس جانب رہنمائی کی ہے کہ وہ عقل پکڑیں، بردباری، تحمل مزاجی اور صبر کا مظاہرہ کریں۔ اس کی وجہ یہی ہے تاکہ دین اسلام کی حفاظت ہو، مسلمانوں کا خون بہنے سے

بچایا جائے اور عزتیں پامال ہونے سے محفوظ کی جائیں اسی لیے فرمایا:

''وہ حق جو تمہارے ذمہ بنتا ہے حکومت کے تعلق سے اسے ادا کرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ سے اپنا حق طلب کرو''۔

ذرا سوچیں یہ بات انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کہی جارہی ہے:

''إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ أَثَرَةً بَعْدِي''

(تم عنقریب میرے بعد امتیازی سلوک اور حق تلفی دیکھو گے)

وہ انصار جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور مہاجرین صحابہ کے ساتھ مل کر قتال کیا جہاد کیا جانیں قربان کیں، جو پہلے ہی ایمان اور ایمان کے گھر مدینہ میں رہتے تھے اور محبت کرتے تھے ان سے جو ان کی جانب ہجرت کر کے جائیں، جہاد کیا اور دفاع کیا اسلام کا، ایک دنیا کو انہوں نے فتح کیا۔ اس قسم کے لوگوں کو کہا جارہا ہے کہ تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح دی جائے گی؟!

حالانکہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جو ان ہی انصار اور مہاجرین کی محنت، قربانیوں اور جہاد کا پھل کھا رہے تھے، تو وہ مال اور مناصب میں ان کو پیچھے دھکیل دیں اور دوسروں کو ترجیح دیں جیسا کہ بعد میں آنے والے امراء تھے جیسے یزید بن معاویہ یا ان کے بعد جو بنی امیہ کے خلفاء تھے امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے علاوہ یا جیسے ان کے بعض گورنر تھے عبید اللہ بن زیاد اور حجاج بن

یوسف۔ لیکن جو بنی مروان تھے ان کی طرف سے یہ بھی کچھ ظلم اور استبداد واقع ہوا، اور نماز عصر کو اور دیگر نمازوں کو اس کے وقت سے تاخیر کے ساتھ پڑھنا، اور مختلف خلل اور کوتاہیاں ان کے اندر آ گئیں اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہیں پایا پھر بھی ان پر صبر کرتے رہے۔ لوگ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ جو حجاج ہے وہ یہ یہ کرتا ہے اور خون بہاتا ہے اور لوگوں کا مال چھین لیتا ہے اور فلاں فلاں کام کرتا ہے یعنی اس کا ظلم و ستم موجود حکام سے بھی بڑھ کر شدید تھا کیوں کہ اِن کے پاس تو کوئی نہ کوئی نظام ہوتا ہے مشرق کا مغرب کا جو بھی ہو لیکن وہ تو کسی بھی نظام کا پابند ہی نہیں تھا بلکہ محض اپنی ہوائے نفس کا پیروکار تھا اور خون بہانے میں دیر نہیں کرتا تھا، اس کے باوجود کہا صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ :

''اصْبِرُوا لَا يَأْتِي عَامٌ إِلَّا وَ الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ''

(صبر کرو، کوئی بھی سال نہیں آئے گا مگر وہ اپنے سے پہلے والے سال سے زیادہ بدتر اور بُرا ہو گا)۔

[رواه البخاري، كتاب الفتن — باب لايأتي زمان إلا الذي بعده شر منه، برقم (7068)]

تو انہیں صبر کا حکم دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات کو آپ نے مضبوطی سے تھاما اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن جن رہنمائیوں کو وہ صحابی جانتے تھے اس کی جانب دوسروں کی بھی

رہنمائی کی۔

3-علقمہ ابن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ:

''يَا نَبِيَّ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ''

(اے اللہ کے نبی! آپ کیا فرماتے ہیں اگر ہم پر ایسے حکمران آجائیں جو اپنا حق تو ہم سے طلب کریں جبکہ ہمارا حق روک دیں ہمیں نہ دیں، تو پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر دوبارہ سوال کیا پھر آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر تیسری مرتبہ بھی سوال کیا پھر بھی آپ ﷺ نے اپنا رُخ مبارک ان سے پھیر لیا)۔

کیوں کہ یہ خطرناک سوال ہے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو بالکل پسند نہیں تھا، یہ سوال مشکل اور کٹھن تھا۔ تو رسول اکرم ﷺ کیا فرماتے اسے۔ بلکہ ایک صحابیِ رسول الأشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے اس سوال پوچھنے والے کو ہاتھ سے پکڑا اور کہا کہ:

''اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ''

(پھر بھی ان حکمرانوں کی سنو اور اطاعت کرو کیوں کہ ان کے سر ہے جو وبال وہ اٹھائیں اور تمہارے سر ہے جو ذمہ داری تمہاری ہے)۔

پڑھنے والے کو اس حدیث سے یوں محسوس ہو گا کہ یہ تو صحابی سیدنا الأشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا قول ہے تو اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ یہ الأشعث رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اقرار فرمایا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ سنت کی تعریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے ساتھ ساتھ آپ کا فعل اور آپ کی تقریر یعنی جس چیز کا آپ اقرار کریں (یعنی آپ کے سامنے ہو آپ اس پر خاموشی اختیار کریں) یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک دوسری روایت سے یہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ''

(پھر بھی ان حکمرانوں کی سنو اور اطاعت کرو کیوں کہ ان کے سر ہے جو وبال وہ اٹھائیں اور تمہارے سر ہے جو ذمہ داری تمہاری ہے)۔

[رواه مسلم، كتاب الإمارة – باب طاعة الأمراء وإن منعوا الحقوق، حديث رقم (1846)]

کیا حالت ہے یہ کہ حکمران اپنا حق طلب کریں اور ہمیں ہمارا حق نہ دیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جتنی بار یہ سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سوال ہی پسند نہ تھا، کیوں کہ یہ فتنے کی جانب لے جانے والا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی رہنمائی فرمائی

کہ:

''سنو اطاعت کرو حکمرانوں کے اوپر وہ ہے جو ان پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جو تمہارے اوپر ذمہ داری ڈالی گئی ہے یا دونوں اپنی اپنی کمائی کا بار اٹھانے والے ہیں''۔

4-ایک اور حدیث رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ''

(تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے روک دے یا تبدیل کر دے، اگر اس کی وہ طاقت نہیں رکھتا تو پھر اپنی زبان سے، اس کی بھی اگر وہ طاقت نہیں رکھتا تو اپنے دل سے اسے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)۔

[رواه مسلم، كتاب الإيمان – باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان..، حديث رقم (49)]

آج اگر کوئی عالم ہے مثال کے طور پر بعض چیزوں کا کھلے عام انکار نہیں کر سکتا یا وہ ڈرا ہوا ہے یا کوئی دوسری بات ہے لیکن اپنے دل سے اسے بُرا جانتا ہے تو یہ جو اہل اہواء لوگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایجنٹ ہے حکومت کا، جاسوس ہے اور اس کی چاپلوسی کرنے والا اور مداہنت کرنے والا ہے، اور آخر تک جو مختلف تہمتیں وہ لوگ لگاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ باتیں اور تہمتیں

انہوں نے کمیونسٹ قسم کے لوگوں سے حاصل کی ہوئی ہیں۔اس قسم کے اسلوب جو وہ اپناتے ہیں یہ مسلمانوں کے اسلوب نہیں ہیں، بلکہ یہ ان ہی کے جیسے کمیونسٹ اور انقلابی اور باعثی (صدام حسین پارٹی والے)اور قوم پرست اور گمراہ حزبیوں کے طریقے اور اسالیب ہیں۔کیسے ایک نوجوان اور ایک مسلمان ان چیزوں کو قبول کر سکتا ہے ؟!اور علماء اسلام اور اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ جو کہ رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں جو ابھی آپ کے سامنے گزری ہیں اور آئمہ اسلام نے بھی جن چیزوں کو مقرر کیا ہے ان ہی تعلیمات کی روشنی میں جیسا کہ امام مالک، امام الشافعی، امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر امام الاوزاعی والثوری رحمہ اللہ یہ سارے کے سارے ایسی حکومتوں کے وقت موجود تھے جن کے ہاں غلطیاں اور انحرافات پائے جاتے تھے۔ بلکہ خصوصی طور پر آپ دیکھیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو ،خود ان کے دور میں کیا ہوا۔

عباسیوں کی جو حکومت تھی اس میں اللہ تعالی کی صفات کی تعطیل اور انکار عام ہوا اور خلق قرآن کا جو قول ہے اور اس کے علاوہ دیگر گمراہ عقائد جو جہمیہ اور معتزلہ کے ہیں وہ عام ہوئے۔

جہم کا جو مذہب آئمہ کے نزدیک کفر ہے اور خلق قرآن کا جو قول ہے وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اس وقت کے تمام اہل حدیث کے نزدیک کفر تھا، تو اس وقت حکومت کے خلاف لوگوں نے خروج کرنا چاہا مگر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انکار کر دیا کہ خروج نہیں کیا جائے گا اور فرمایا:

''اس میں فساد ہے اور مسلمانوں کے لیے نقصان وضرر ہے''۔

[دیکھیں السنۃ للخلال (1/131-134)]

تو آپ نے انہیں ڈانٹ دیا۔ تو کیا آپ کہیں گے کہ امام احمد رحمہ اللہ بزدل تھے یا وہ جاسوس ایجنٹ تھے حکومت کے؟

اور جن سلف صالحین نے ان دلائل کو لیا اور خوارج کے خلاف مقابلہ کیا اور اہل فتن کا چاہے وہ معتزلہ میں سے ہوں یا ان کے علاوہ مقابلہ کیا ان کے خلاف مؤقف اپنایا اور دکیا ان کو ایجنٹ اور جاسوس کہا جائے گا؟

یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ لوگ اہل سنت سے ان اسالیب کے ساتھ جھگڑتے ہیں اور ان کے خلاف جنگ برپا رکھتے ہیں جیسا کہ کمیونسٹ اور باعثی، قوم پرست اور ملحد قسم کے احزاب اپناتے ہیں، پھر یہ کیسے ان اسالیب کو استعمال کرتے ہیں مسلمانوں کے خلاف؟

اور کیسے یہ جو دلائل ہم نے ذکر کیے انہیں یہ لیتے نہیں؟ اور کیوں ان کا عذر قبول نہیں کرتے حالانکہ ان کے پاس اتنے بہت سے دلائل ہیں؟

مثال کے طور پر میں نہیں چاہتا خروج کرنا میں فلاں حاکم کو کافر نہیں سمجھتا کہ وہ کفر بواح میں مبتلا ہو، میرے نزدیک وہ کافر نہیں ہے، جبکہ آپ خوارج کے مذہب پر چل رہے ہیں اور اس کی تکفیر بھی کر رہے ہیں تو کم از کم مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں میرے بھائی، اور مجھے اپنے

باطل منہج کا قائل کرنے کی یا اپنے جیسے افکار اپنانے کے لیے محنت نہ کریں اور کوشش نہ کریں! آپ کے ذمہ یہ واجب ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کو سنیں کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے خروج کا:

''مَا أَقَامُوْا الصَّلَاةَ''(جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں)۔

''مَا صَلَّوْا''(جب تک وہ نماز پڑھ رہے ہیں)۔

''حَتَّى تَرَوا كُفْراً بَوَاحاً''(یہاں تک کہ تم کفر بواح نہ دیکھو)۔

آج ہم کسی بھی معتبر عالم کو نہیں جانتے جنہوں نے ان میں سے بعض حکام کی تکفیر کی ہو جو نماز پڑھتے ہیں اور ابھی تک دائرہ اسلام کے اندر موجود ہیں کہ انہیں انہوں نے کافر کہا ہو۔ مثال کے طور پر شیخ ابن باز رحمہ اللہ ہیں آپ جانتے ہیں انہیں کہ انہوں نے بعض حکام کی تکفیر کی ہے اور بعض علماء نے بھی تکفیر کی ہے ان کی جو واقعی تکفیر کے مستحق تھے لیکن بعض جو دیگر حکام ہیں ان کے تعلق سے وہ اب تک دائرہ اسلام میں ہیں اگرچہ وہ منحرف ہیں وہ گمراہ ہیں اور مختلف کوتاہیوں کا شکار ہیں لیکن وہ دائرہ اسلام ہیں اور کسی نے ان کی تکفیر نہیں کی۔

کیا آپ کسی معتبر اہل السنۃ میں سے کسی عالم کو جانتے ہیں کہ جن کے قول کی پیروی کی جاتی ہے کہ جس نے فلاں فلاں موجودہ حکام میں سے کسی کو کافر قرار دیا ہو؟ بلکہ ہم نہیں دیکھتے مگر اسی قسم کے کم عقل، جاہل اور معتزلہ، خوارج سے چمٹے ہوئے لوگوں کو کہ یہ لوگ تکفیر کرتے پھرتے ہیں، جو حکام کی اور ان کی عوام کی تکفیر کرتے ہیں، اور ساتھ میں حکام اور ان کی فوجوں

تک کی یہ لوگ تکفیر کرتے ہیں۔ ان سب نے اپنے افکار سید قطب کے مدرسے و مکتبۂ فکر سے لیے ہیں۔ سید قطب وہ جس نے اصول سنت کو منہدم کر کے رکھ دیا، تباہ کر دیا اور اہل ضلالت اور گمراہی کے تمام اصولوں سے چمٹا رہا۔ کوئی بھی فاسد اصول نہیں چھوڑا مگر اس پر اپنی بنیاد رکھی سید قطب نے، اور کوئی بھی اہل السنۃ کے اصول میں سے اصول نہیں چھوڑا مگر اس کو گرا کر رکھ دیا اسے تباہ کر دیا جن میں سے امت کی تکفیر کرنا جس کی بنیاد اس باطل عقیدے پر بھی ہے کہ جو ایمان ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی یا تو سو فیصد ایمان ہے یا پھر کفر ہے! فقط ایمان اور کفر ہے! یعنی یہ تصور ہی نہیں کہ ایک انسان (مسلمان) ہو جس کے پاس گناہ پائے جاتے ہوں، اگر وہ کسی حکمران کی کسی ایک معمولی سے جزئی مسئلے میں بھی پیروی کر لیتا ہے تو یہ اس کی تکفیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بالکل ہی دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے!

کیا خوارج اس حد تک نہیں پہنچے تھے! چنانچہ ہم نوجوانوں سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ سمجھ بوجھ سے کام لیں۔ آپ ان نصوص اور دلائل کو نکال کر ان کے سامنے رکھیں جس سے اس شخص کی گمراہی بالکل واضح بھی ہو جائے پھر بھی وہ آپ سے قبول نہیں کرتے! آپ سے اس حق کو وہ قبول کرنے کو تیار نہیں، میرے بھائیو! وہ انکاری ہیں بالکل کہ حق کی جستجو کریں اور اس کی تلاش کریں، وہ ان فتنوں کے مقابلے میں عقل مند لوگوں کا مؤقف اپنانے کو گویا کہ تیار ہی نہیں ہیں کہ جن فتنوں نے مشرق اور مغرب میں انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے، اور امت کے نوجوان حیرت اور پریشانی میں مبتلا ہیں، ان کی عقلیں افراتفری اور انتشار کا شکار ہیں، اور ایک دوسرے سے ہی لڑ مر رہے ہیں، آپس میں عداوت دشمنی جڑ پکڑ چکی ہے، تو یہ

چاہتے ہی نہیں ہیں کہ آنکھیں کھول کر بصیرت کے ساتھ یہ چیز دیکھیں، اور ان باتوں کو پڑھیں اور وہ یہ جانیں کہ وہ کس کی سربراہی میں ہیں اور کون ان کی قیادت کر رہا ہے، کون ان کا بڑا ہے اور اس کا منہج کیا ہے جس کی یہ پیروی کیے جا رہے ہیں، یہ اس کے عقائد ہیں جو ہم نے ذکر کیے اور یہ اس کا فہم اسلام ہے مگر یہ لوگ یہ باتیں چاہتے ہی نہیں، سنتے ہی نہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾(نوح:7)

((حق بات سننے کے بجائے) کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں، کپڑے اپنے منہ پر ڈال دیتے ہیں، اور مصر رہتے ہیں اپنی بات پر، اور تکبر پر تکبر کیے جاتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کی قسم میرے بھائیو! یہ بُرے مسالک اور طریقے اپناتے ہیں۔ ہم یہ جو کلام کر رہے ہیں اس میں اگرچہ کچھ سختی و قوت ہے لیکن یہ اس لیے تاکہ یہ لوگ جاگ جائیں، بیدار ہو جائیں، اگر ان کے پاس واقعی عقلیں ہیں، اگر واقعی ان کے پاس قرآن اور سنت اور فہم سلف صالحین جو ذکر کیا جاتا ہے ان کے نصوص کے تعلق سے کوئی اس کا کوئی احترام باقی ہے تو انہیں چاہیے کہ عقل پکڑیں ان عظیم اور خطرناک امور کے تعلق سے جس نے امت کا یہ حال کیا ہے، اور انہیں اس درجے اور پستی تک پہنچا دیا ہے جہاں تک پہلے وہ کبھی نہیں پہنچی اسی سید قطب اور اس کے پیروکاروں کے ہاتھوں۔

جہاد تا قیام قیامت حکمرانوں کی سربراہی میں جاری رہے گا خواہ وہ نیک ہوں یا بد

امراء (حکام) خواہ نیک ہو یا بد کے ساتھ مل کر (ان کی سربراہی میں) تا قیام قیامت غزوہ (جہاد) باقی رہے گا، اسے چھوڑا نہیں جائے گا۔

اسی طرح مال فئ کی تقسیم اور اقامتِ حدود ان آئمہ (حکام) کے ساتھ باقی رہے گی۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان پر طعن کرے یا ان سے (حکومت کے معاملے میں) تنازع برتے۔ انہیں صدقات (زکوۃ) ادا کرنا جائز و نافذ رہے گا۔ جو اس (زکوۃ) کو ان (حکام) کو ادا کر دے تو یہ اس کے لئے کافی ہے۔ (یہ تمام باتیں ان حکام کے حق میں باقی رہیں گی) خواہ نیک ہو یا بد۔

ان (حکام) کے پیچھے اور جنہیں یہ امام مقرر کریں ان کے پیچھے نماز جمعہ جائز ہے اور باقی ہے مکمل دو رکعتیں۔ جس نے اپنی نماز کو (ان کے پیچھے پڑھنے کے بعد) لوٹایا تو وہ بدعتی، آثار کو ترک کرنے والا اور سنت کی مخالفت کرنے والا ہے۔ اگر وہ نیک و بد آئمہ کے پیچھے نماز کو جائز نہیں سمجھتا تو اس کے لئے جمعہ کی فضیلت میں سے کچھ بھی حصہ نہیں۔ سنت یہ ہے کہ ان کے

تو آج ہم اس اصول کے اوپر توجہ مرکوز کرتے ہیں کیوں کہ جو سارے فتن ہیں اس کے ارد گرد گردش کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کو چاہیے کہ ان نصوص کو یاد کریں کیوں کہ ہم ان کے ذریعے سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کا اعتقاد رکھتے ہیں یہاں تک کہ ہم اس سے ملاقات کریں، ممکن نہیں کہ کوئی صاحب ہوئی یا منحرف شخص ہمیں اس منہج سے ہٹا کر کسی اور منہج کی طرف لگانے پائیں۔

ساتھ دو رکعتیں پڑھو، اور یہ یقین رکھو کہ یہ مکمل ادا ہو گئی ہے، اور تمہارے دل میں اس بارے میں کوئی شک بھی نہ ہو[22]۔

22امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ فرمانا:

''جہاد قیامت تک باقی رہے گا حکمرانوں کے ساتھ مل کر خواہ نیک ہوں یا بد ہوں''۔

جب تک جہاد قائم ہے تا قیامت تو واجب ہے کہ ہم جہاد کریں مگر امام حکمران کے جھنڈے کے نیچے خواہ نیک ہو یا بُرا ہو۔ سلف صالحین بھی اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں جیسا کہ امام ابن المبارک، امام الاوزاعی، احمد ابن حنبل رحمہم اللہ وہ ان ہی کے ساتھ نکلا کرتے تھے اور ان کے علاوہ دیگر آئمہ بھی کہ وہ جہاد اور معرکوں کے لیے نکلتے جو اس وقت کی حکومت عباسیہ اس کے جھنڈے کے تحت ہوتا۔۔۔

آگے فرمایا:

''مال فی اور حدود کو قائم کرنا یہ بھی ذمہ داری آئمہ کے سپرد باقی رہے گی کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے بارے میں ان پر طعن کرے یا تنازع کرے''۔

یہ مؤقف ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا کہ مال فیء کی جو تقسیم ہے وہ بھی امراء کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح یہی مؤقف ہے کہ مختلف حدود کو قائم کرنا جیسے زنا کی حد، قتل کی، چوری کی، شراب خوری کی اور اس جیسی چیزوں کی یہ بھی حکام کی ذمہ داری ہے انفرادی طور پر یا

گروہوں، جماعتوں و تنظیموں کی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ انہیں یہ حق ہے، بلکہ ان امور پر جو سرپرستی کرنے والا ہے یا نافذ کرنے والا ہے وہ حاکم وقت ہے، کیوں کہ یہ اس کا حق ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر انفرادی طور پر لوگوں کو یا مختلف پارٹیوں گروہوں کو اس کی اجازت دے دی جائے تو اس کا نتیجہ ناجائز خون بہنا اور فتنے فساد کی آگ بھڑکنا ہوگا، اتنے فتنے فساد اور خون خرابہ ہو کہ جس کا کوئی اول و آخر ہی نہ ہو۔ لیکن اس کے برعکس اگر شریعت کے مطابق جو ولی امر اور حکمران ہے اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو وہ حدود کو اگر نافذ کرتا ہے تو پھر لوگوں کے نفس اپنے آپ مطمئن رہتے ہیں اور امت میں یہ فتنے نہیں ہوتے جنہیں ہم نے یہاں پر ذکر کیا۔

آگے فرمایا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے:

"کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان حکمرانوں پر اس بارے میں طعن کرے"۔

نہ حدود کی اقامت کے تعلق سے اور نہ مال فی کی تقسیم کے بارے میں ان پر تنقید کرے، جیسا کہ ذوالخویصرۃ نے کیا تھا۔ (جو کہ خارجیوں کا بانی تھا اور اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترجیحی تقسیم پر اعتراض کیا اس بارے میں مشہور احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہیں)۔

آگے فرمایا:

"اور انہیں اپنے صدقات، زکوۃ ادا کرنا جائز ہے اور نافذ ہوتی ہے"۔

کیوں کہ جو مسلمان حاکم ہے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اجتہاد کرے مال فئ کی تقسیم میں، اسے یہ حق پہنچتا ہے۔

فرمایا:

"صدقات انہیں دینا جائز ہے اور نافذ ہے، جس نے انہیں دے دیا تو یہ اس کی طرف سے کافی ہو جائے گا"۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں اور امام الشافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں یہ بات موجود ہے کہ وہ فرق کرتے ہیں ایک زکوٰۃ ظاہر جو ہوتی ہے اس میں اور ایک زکوٰۃ باطن جو ہوتی ہے اس میں۔ تو وہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ جو ظاہری زکوٰۃ ہوتی ہے وہ ولی امر حکمران کے لیے ہے، لیکن جو باطن زکوٰۃ ہے جیسا کہ سونا چاندی کی اور تجارتی سامان کی تو یہ خود اس شخص کے ذمے ہے یعنی جو نصاب کا مالک ہو زکوٰۃ میں سے چاہے وہ سونا ہو، چاندی ہو یا مال تجارت ہو کہ وہ خود سے اس کو نکال سکتا ہے۔ البتہ بعض اس کو بہتر قرار دیتے ہیں کہ وہ اسے خود سے نکالے تاکہ اس کا دل اس طور پر مطمئن ہو کہ وہ واقعی مستحقین کو پہنچ گئی۔

بہر حال اس کے باوجود اگر کوئی یہ والی بھی جو زکوٰۃ ہے ولی امر کو دیتا ہے تو یہ بالکل جائز ہے اور اس کی طرف سے ادا ہو جائے گی، اور اس سے بھی بڑھ کر اگر ولی امر (ہر قسم کے صدقات، زکوٰۃ) آپ سے طلب کرے تو پھر لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اسے ادا کریں، اگر وہ اس سے رکیں گے اور ادا نہیں کریں گے تو اسے یہ بھی حق ہے کہ وہ ان سے قتال کرے جیسا کہ صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مانعین زکوۃ کے خلاف قتال کیا تھا۔

آگے فرماتے ہیں:

''اور اس حکمران کے پیچھے (یعنی جو نیک ہو بُرا ہو) نماز جمعہ (اور دیگر نمازیں) جائز ہیں اسی طرح جسے وہ اپنا نائب مقرر کرے (یا مسجد کا امام مقرر کرے) اس کے پیچھے بھی''۔

جو نماز جمعہ وہ اس امام کے پیچھے یا جسے وہ مقرر کرے جیسا کہ امراء ہوتے ہیں، وزراء ہوتے ہیں ، قضاۃ ہوتے ہیں اور آئمہ مساجد جنہیں وہ مقرر کرتا ہے ان کے پیچھے، فرماتے ہیں:

''جائز ہے باقی ہے اسی طریقے سے مکمل دو رکعتیں ہیں جس طرح سے ہوتی ہیں''۔

یہ جو جمعہ کی رکعتیں ہیں، پھر فرمایا:

''جس نے انہیں لوٹایا تو وہ خود بدعتی ہے''۔

بعض لوگ نماز جمعہ کو لوٹاتے ہیں مختلف عذر اور بہانوں سے جو ان کی نظر میں ہوتے ہیں یا تو وہ کہتے ہیں کہ چالیس لوگوں کا عدد پورا نہیں ہوا (جو گویا کہ ان کے نزدیک جمعہ کی شرائط میں سے ہے) یا پھر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امام کی نماز صحیح نہیں جو کہ اس سے بھی زیادہ بُرا عقیدہ ہے۔ تو وہ خود بدعتی ہے کیوں کہ جو امام جمعہ نماز پڑھاتا ہے اگرچہ وہ بدعتی ہی کیوں نہ ہو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں اور اسے لوٹائیں نہ۔ اور اسی طریقے سے اگر وہ جابر اور ظالم ہی کیوں نہ ہو آپ

آئمۃ المسلمین (مسلم حکمرانوں) پر خروج کی حرمت

جو آئمہِ مسلمین (مسلمانوں کے حکام) پر خروج کریں جبکہ لوگ اس پر مجتمع ہو چکے ہوں اور اس کی خلافت (حکومت) کا اقرار کرتے ہوں کسی بھی طور پر چاہے رضامندی سے ہو یا (جبراً) غلبہ حاصل کر کے (تو ایسے حکام پر بھی خروج کرنے والا) مسلمانوں کی حکومت واتحاد کو پارہ پارہ کرنے والا ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ آثار (احادیث) کی مخالفت کرنے والا ہے۔ اگر وہ اسی خروج کی حالت میں موت پاتا ہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے[23]۔

اس کے پیچھے نماز پڑھیں اور لوٹائیں نہیں، اپنی نماز کو دہرائیں نہیں، اگر آپ نے دہرایا اور لوٹایا تو آپ خود بدعتی ہیں۔

تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"سنت یہ ہے کہ ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ یہ مکمل ہو چکی ہے، اور آپ کے دل میں کوئی کھٹک بھی نہ ہو اس کے تعلق سے (یہ صحیح عقیدہ ہے)"۔

23 جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً"

(جو اس حال میں مرا کہ اس کے گلے میں بیعت نہیں تھی حکومت کی تو وہ جاہلیت کی موت

سلطان (حاکم) سے قتال کرنا (تختہ الٹنا) جائز نہیں، اور نہ ہی کسی انسان کے لئے ان پر خروج

مرا)۔

[رواه مسلم، كتاب الإمارة – باب ملازمة جماعة المسلمين...، حديث رقم (1851) عن إبن عمر رضی اللہ عنہما]

اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وَمَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً''

(اور جو حکومت کی اطاعت سے خارج ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا)۔

[رواه مسلم، كتاب الإمارة – باب ملازمة جماعة المسلمين...، حديث رقم (1848) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ]

چناچہ خروج کرنا جائز نہیں۔ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات یزید کی خلافت میں فرمائی، اور آپ یزید کا حال اچھے طریقے سے جانتے ہیں، اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے خلاف خروج کو ان کی بیعت توڑنے کے مترادف سمجھتے ہیں، اور جو ان پر خروج کرے اسی حال میں وہ مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

[اس قصے کو امام مسلم سابقہ حدیث رقم 1581 میں لائے ہیں]

جائز ہے۔ جس نے ایسا کیا تو وہ بدعتی ہے نبی کریم ﷺ کی سنت اور ان کے طریقے پر نہیں[24]۔

چوروں اور خوارج کے خلاف قتال جائز ہے

چوروں (ڈاکوؤں) اور خوارج سے قتال کرنا جائز ہے۔ اگر وہ کسی شخص کی جان ومال کے درپے ہوں تو اسے چاہیے کہ اپنی جان ومال کی حفاظت کے لئے ان سے لڑے، اور ان کا دفاع کرے جس قدر بھی اس کی طاقت ہو۔ مگر اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اگر وہ اسے چھوڑ کر بھاگ جائیں تو انہیں طلب کرے یا ان کا پیچھا کرے یہ حق سوائے مسلمانوں کے امام یا حکمرانوں کے

---

24 کیوں کہ بلاشبہ خروج کرنا حکمران پر یہ ان ثابت شدہ نصوص کے خلاف ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں، اسی طرح جو اہل السنۃ والجماعۃ کے اصول ہیں ان میں سے ایک عظیم اصول کے بھی خلاف ہے۔ حتی کہ اگر حکمران کافر ہی کیوں نہ ہو آپ اس کے خلاف خروج نہ کریں الا یہ کہ اس کی بھرپور قدرت ہو اور کوئی راجح مصلحت ہو، اور کوئی مفسدہ راجح نہ ہو، تو پھر اگر ممکن ہو اس سے گلو خلاصی حاصل کرنا تو کر سکتا ہے، ورنہ اصل یہی ہے کہ صبر کیے جاؤ۔

لیکن اس کے برعکس حال تو یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو دائرہ اسلام کے اندر ہو، نمازیں پڑھتا ہو، تو جائز نہیں کہ اس کے خلاف خروج کیا جائے یہاں تک کہ آپ کھلم کھلا کفر بواح خود نہ دیکھ لیں، اور جو شرائط ذکر ہوئی ہیں پہلے ان کے تحت رہتے ہوئے خروج ہو گا۔

اور کسی کا نہیں۔ اسے بس چاہیے کہ وہ اپنی جگہ پر رہتے ہوئے اپنا دفاع کرے اور اپنی اس کوشش کے بارے میں یہ نیت رکھے کہ کسی کو قتل نہیں کرنا، لیکن اگر اس کے ہاتھوں اپنا دفاع کرتے ہوئے لڑائی میں کوئی قتل ہو جائے تو اللہ تعالی نے اس مقتول (چور وغیرہ) کو رفع دفع کر دیا، اور اگر یہ دفاع کرنے والا اس حالت میں کہ وہ اپنی جان ومال کا دفاع کر رہا تھا قتل ہو جائے تو میں اس کی شہادت کی امید کرتا ہوں۔ اس بارے میں جو احادیث اور تمام آثار آئے ہیں ان میں صرف اس سے (موقع پر) لڑنے کا حکم ہے، اس کے (لازمی) قتل کرنے یا اس کا پیچھا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ ہی اس پر خود حملہ آور ہونے کا اگر وہ گر جائے یا زخمی ہو جائے، یا پھر اسے بطور قیدی قید کر لے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اسے قتل کر دے، اور نہ ہی اس پر حد قائم کرے، بلکہ اس کا معاملہ اس حاکم تک لے جائے جسے اللہ تعالی نے اس کا ذمہ دار بنایا ہے، اور وہی اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا[25]۔

---

[25] یہ جو تفاصیل ہیں خوارج کے خلاف قتال کی یا جو آپ پر حملہ آور ہو، لوٹ رہا ہو یا باغی ہو چور ڈاکو ہو، یہ تمام باتیں ماخوذ ہیں ان احادیث سے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔

چنانچہ ان میں سے کچھ کا بیان شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں یہاں پر جو کہ صحیح مسلم، الترمذی، ابوداود، النسائی اور اسی طرح آگے چل کر بخاری و مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں، فرمایا:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

''أَرَأَيْتَ إِنْ أَرَادَ رَجُلٌ أَخْذَ مَالِي؟ قَالَ: لَا تُعْطِهِ. قَالَ :فَإِنْ قَاتَلَنِي؟ قَالَ: قَاتِلْهُ. قَالَ: فَإِنْ قَتَلَنِي؟ قَالَ: فَأَنْتَ شَهِيدٌ. قَالَ: فَإِنْ قَتَلْتُهُ؟ قَالَ: فِي النَّارِ''

(آپ ﷺ کا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص میرا مال چھیننا چاہے مجھ سے؟ فرمایا: تم اسے اپنا مال نہیں دینا۔ اس شخص نے کہا کہ: اگر وہ مجھ سے لڑے اس بارے میں؟ فرمایا: تو تم بھی اس سے قتال کرو مزاحمت کرو۔ اس شخص نے کہا: اگر وہ مجھے قتل ہی کر دے؟ فرمایا: تو تم شہید ہو۔ اس نے کہا: اور اگر وہ میرے ہاتھوں مارا جائے تو؟ فرمایا: وہ جہنم میں ہے)۔

[رواه مسلم، كتاب الإيمان – باب الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق كان القاصد مهدر الدم في حقه وإن قتل كان في النار، حديث رقم (140) من رواية أبي هريرة رضی اللہ عنہ]

اسی طرح دوسری حدیث میں فرمایا:

''وَمَنْ قُتِلَ دُونَ نفسِهِ فهوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ''

(جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا گیا تو وہ شہید ہے، جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ بھی شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا گیا وہ بھی شہید ہے)۔

[رواه الترمذي، كتاب الديات – باب ماجاء فيمن قتل دون ماله فهو شهيد، رقم

(1421) قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح، وأبو داود، كتاب السنة – باب فى قتال اللصوص، حديث رقم (4772)، رواه النسائي، كتاب تحريم الدم – باب من قاتل دون أهله، برقم (4094)، وباب من قاتل دون دينه برقم (4095) جميعاً من رواية سعيد بن زيد رضی اللہ عنہما اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا: ''وَمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ'' رواه البخاري، كتاب المظالم والغصب – باب من قاتل دون ماله، حديث رقم (2480) ومسلم، كتاب الإيمان – باب الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق كان القاصد مهدر الدم فى حقه وإن قتل كان فى النار، حديث رقم (141) من رواية عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہما]

پس اگر کسی انسان پر زیادتی کی جائے اس کے مال کے حساب سے، اس کی کی عزت کے اوپر یا اس کی جان کے اوپر تو چاہیے کہ وہ دفاع کریں لیکن جتنا احسن اور اچھے طریقے سے ہو سکتا ہے کرے، یعنی اس کا مقصد اسے قتل کرنا نہیں ہو بس اچھے طریقے سے جتنا ممکن ہو وہ اپنا دفاع کرنے کی کوشش کرے، لیکن اگر آخر کار معاملہ یہ مقدر ہو گیا کہ وہ حملہ آور قتل ہو گیا تو اس حالت میں اس کے قتل ہو جانے پر دفاع کرنے والے شخص پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر اس نے دفاع کرنے والے شخص کو اس حملہ آور نے قتل کر دیا تو پھر وہ شہید ہے۔ تو اپنے مال کا دفاع کرنا، اپنی عزت کا دفاع کرنا، اپنی جان کا دفاع کرنا ان جیسے حالات میں شریعت نے اس کی اجازت دی ہے جس پر زیادتی کی جا رہی ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے اپنی جان کا، اپنے مال کا، اپنی عزت کا۔ بلکہ بعض علماء کرام نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ اپنی حرمات جیسے اپنی بیوی کا اپنی بہن

کا اپنے محارم کا دفاع کرے، ایک شخص پر واجب ہے کہ وہ دفاع کرے ان کی عزتوں اور حرمتوں کا۔ چنانچہ جس کے خلاف ہم دفاع کر رہے ہیں زیادتی کرنے والے کے اگر وہ ادنیٰ سے اسباب اختیار کرنے پر ٹل جاتا ہے تو الحمد للہ، لیکن اگر آخری نتیجے تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے قتل کرنے کی نوبت بن پڑے اور وہ قتل ہو جائے تو پھر اس شخص کے اوپر جس سے یہ قتل ہوا کوئی گناہ نہیں، اور جو مقتول ہے وہ جہنم کی آگ میں ہے واور اگر جس کے اوپر زیادتی کی جا رہی ہے وہ قتل ہو جائے اس زیادتی کرنے والے کے ہاتھوں سے تو وہ ان شاءاللہ شہید ہے۔ یعنی وہ اپنے نفس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خالص رضا بھی چاہتا ہو اور اس کی شریعت کا التزام کرنے والا بھی ہو۔ صرف محض اپنے نفس کا دفاع کرتے ہوئے شہید نہیں ہو جاتا بلکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ تو اس کی یہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ میرے لیے مباح اور جائز قرار دیا ہے اور اجازت دی ہے بلکہ مجھ پر واجب قرار دیا ہے کہ میں اپنے جان، مال اور عزت کا دفاع کروں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس مسئلے کی بنیاد ان احادیث پر رکھی ہے اور آپ کا یہ مقصد ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسوں سے قتال کی اجازت دی ہے اسے مباح قرار دیا ہے لیکن ان کا قتل کرنا مباح اور جائز قرار نہیں دیا۔ لہذا آپ کی نیت نہ ہو اسے قتل کرنے کی بلکہ اپنی مدافعت اور دفاع کرنے کی نیت ہو۔ اگر وہ اسی طرح رفع دفع ہو جائے تو الحمد للہ اگر وہ اس طرح رفع دفع نہ ہو الا یہ کہ لازماً اسے قتل کر کے ہی جان چھوٹے تو اس کا حکم وہی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو زیادتی کرنے والا تھا قتل ہونے کے باوجود وہ جہنم میں ہے اور

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے لیے جنت یا جہنم کی گواہی نہیں دیتے

ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کے بارے میں اس کے عمل کی بناء پر جو وہ کرتا ہے (قطعی طور پر)

جس پر زیادتی کی جارہی تھی اگر وہ قتل ہو جائے تو وہ شہید ہو گا ان شاءاللہ۔

اور اگر وہ قیدی بن جائے آپ کے ہاتھوں یا وہ زخمی ہو جائے تو پھر اس پر حملہ آور ہو کر اسے قتل نہ کیجیے، آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس پر حملہ کر کے جب کہ وہ مغلوب ہو چکا ہے اسے قتل کر دیں، اور اگر وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے تو پھر اس کا پیچھا بھی نہ کریں کہ اس کو جو شر تھا وہ ٹل گیا ہے اور یہی بات مطلوب تھی۔ یا تو وہ آپ کے آگے گر گیا آپ غالب آ گئے یا زخمی ہو گیا لیکن اگر وہ پیٹھ پھیر کو بھاگ جائے ڈر کے بھاگ جائے تو پھر آپ اس کا پیچھا نہ کریں، اور اگر وہ زخمی ہو کر گر جائے تو اس پر حملہ کر کے قتل نہ کریں یہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں پھر وہ آپ کی طرف سے زیادتی ہو گی، کیوں کہ آپ کو اس سے لڑنے کا اور دفاع کرنے کا تو حکم دیا گیا ہے لیکن اسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اور اگر وہ آپ کے ہاتھوں قیدی بن جائے تب بھی آپ کے لیے جائز نہیں کہ اس کو قیدی بنا کر قتل کر لیں یا اس پر اپنے طور پر حدود نافذ کریں بلکہ اس قیدی کے معاملے کو ولاۃ امور (حکمران اور حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں) تک لے جائیں وہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کریں گے یا جو بھی وہ چاہیں گے۔ اگر وہ حکم نافذ نہیں بھی کرتے اور مخالفت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی مسئولیت ان کے سر ہے ان کے ذمہ ہے۔

جنت یا جہنم کی گواہی نہیں دیتے، (بلکہ) نیکوکار کے لئے (جنت کی) امید رکھتے اور ساتھ میں ڈرتے بھی ہیں (کہیں اعمال غیر مقبول نہ ہوں)، اور نافرمان گنہگار کے لئے (جہنم) کا خوف رکھتے ہیں، اور (ساتھ ہی) اس کے لئے اللہ تعالی کی رحمت (اور بخشش) کی امید بھی رکھتے ہیں۔[26]

---

26 امام احمد رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ:

"ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے لیے قطعی طور پر گواہی نہیں دیتے اس کے عمل کی بناء پر کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے"۔

الا یہ کہ کفر کیا گیا ہو اللہ تعالی کے ساتھ یا شرک کیا گیا ہو تو اس کا اپنا حکم ہے لیکن جو معصیت یعنی گناہوں میں سے کوئی گناہ تو اس کے بارے میں ہم حکم نہیں لگاتے جنتی ہونے کا یا جہنمی ہونے کا۔ اگر وہ نیک صالح اعمال کرتا ہے تو اس کے لیے جنت کی امید رکھتے ہیں اور اگر وہ کوئی ایسا عمل کرتا ہے جو جہنم میں جانے کا موجب ہے تو ہم اس کے بارے میں خدشہ رکھتے ہیں ڈرتے ہیں۔ تو جو مطیع اور فرماں بردار ہے اس کے لیے امید رکھتے اور جو عاصی اور گنہگار ہے اس کے لیے ڈرتے ہیں، البتہ قطعی طور پر کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا ہم نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ یہ تو صرف اللہ جل جلالہ کے سپرد ہے۔ الا یہ کہ ہم کفر بواح (کھلم کھلا کفر) دیکھیں جیسے کوئی یہودی ہو نصرانی ہو یعنی واضح کافر ہو تو اسے کہا جائے گا کہ یہ جہنم کی آگ میں ہے، کیوں کہ اس بارے میں ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ بے شک جو کافر ہے وہ جہنم میں ہے۔ لیکن جو مومن

ہے گناہ گار ہے یا پھر فرماں بردار ہے تو اس کے تعلق سے ہم حکم نہیں لگاتے جنت کا یا جہنم کا اس کا معاملہ اللہ جل جلالہ کے سپرد ہے، اور جو مطیع اور فرماں بردار ہے اس کے لیے ہم امید رکھتے ہیں اور جو عاصی اور گناہ گار ہے اس کے لیے ہم ڈرتے ہیں، جو نیک صالح ہے اس کے لیے ہم امید رکھتے ہیں ساتھ میں اسی کے لیے ہم ڈرتے بھی ہیں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ جو عمل کر رہا ہے لوگوں کی نظر میں وہ خیر کا عمل ہو لیکن در حقیقت اس کے بر خلاف ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص کافروں کے خلاف بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا اور خون بہا رہا تھا لیکن نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّهُ فِي النَّارِ"

(بے شک وہ جہنم میں ہے)۔

[رواه البخاري، كتاب المغازي – باب غزوة خيبر، حديث رقم (4203)، من حديث سهل ابن سعد رضی اللہ عنہ، رواه مسلم، كتاب الإيمان – باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه، حديث رقم (111،112) من رواية أبي هريرة وسهل بن سعد رضی اللہ عنہما]

بظاہر تو وہ مجاہد تھا لیکن نیت ایک دوسری ہی چیز تھی۔

اسی طریقے سے وہ شخص جسے تیر لگ گیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا فلان شہید ہے فلان شہید ہے، یہاں تک کہ اس شخص کے پاس آئے اور کہا کہ فلان شہید ہے، تو نبی کریم ﷺ

فرمایا:

''كَلَّا! إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي غَلَّهَا لَتَلْتَهِبُ عَلَيْهِ نَارًا''
(ہر گز نہیں! وہ چادر جس کی اس نے خیانت کی تھی وہ آگ بن کر اس کو لپیٹے ہوئی ہے)۔

[رواه البخاري، كتاب المغازي – باب غزوة خيبر، حديث رقم (4234)،ومسلم، كتاب الإيمان – باب غلظ تحريم الغلول وأنه لايدخل الجنة إلا المؤمنون، حديث رقم (115) واللفظ له من رواية أبي هريرة رضی اللہ عنہ]

اسی طرح اُم العلاء رضی اللہ عنہا سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی تیمارداری فرمارہی تھیں تو آپ وفات، اس پر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''يَا أَبَا السَّائِبِ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ''
(اے ابا السائب اللہ تعالیٰ نے آپ پر کرم فرمایا)۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ، وَاللهِ إِنِّي لَرَسُولُ اللهِ وَلَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي، فَقَالَتْ لَا أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ''
(تمہیں کیسے معلوم کہ بلاشبہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تو

جس نے ایسا گناہ کیا جس سے جہنم واجب ہوتی ہے مگر اس پر اصرار نہ کرتے ہوئے تائب ہو گیا اور اس حال میں اللہ تعالی سے ملاقات کی تو اللہ تعالی اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔ وہی اپنے

اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس کے باوجود مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہو گا تو وہ صحابیہ فرماتی ہیں اس کے بعد میں نے کسی کی پارسائی بیان نہیں کی، کسی کا تزکیہ نہیں کیا)۔

پھر کہتی ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ اسی صحابی کے لیے ایک نہر بہہ رہی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو میں نے اس کی خبر دی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''ذَاكِ عَمَلُهُ''

(یہ اس کا عمل ہے)۔

[رواه البخاري، كتاب الشهادات – باب القرعة فى المشكلات، حديث رقم (2687)]

شاہد یہ ہے کہ بے شک آپ کسی کے لیے جزم کے ساتھ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنت کا مستحق ہے جہنم کا۔ البتہ نیک صالح کے لیے امید رکھتے ہیں اور ڈر بھی رکھتے ہیں، اسی طرح جو گنہگار ہے اس کے لیے بھی ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں کہ اس کی پکڑ نہ ہو جائے۔

بندوں کی توبہ کو قبول فرماتے اور گناہوں سے در گزر فرماتے ہیں[27]۔

---

[27] امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس نے ایسا گناہ کیا جس سے جہنم واجب ہوتی ہے مگر اس پر اصرار نہ کرتے ہوئے تائب ہو گیا اور اس حال میں اللہ تعالی سے ملاقات کی تو اللہ تعالی اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے سورۃ الزمر میں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (الزمر: 53)

(آپ کہہ دیجیے (کہ اللہ تعالی فرماتا ہے) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے)

اللہ تعالیٰ توبہ سے محبت کرتا ہے، بہت توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے،

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرۃ: 222)

(بے شک اللہ تعالی بہت توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اور بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے)

جس نے کوئی ایسا گناہ کیا جس کی حد اس پر دنیا میں قائم ہو چکی ہو اور اس حال میں اللہ تعالی سے ملاقات کی تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی خبر (حدیث) میں وارد ہوا۔ (لیکن) جس نے ایسا گناہ کیا جس پر عقوبت و سزا مقرر ہے اور وہ اس پر اصرار کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا اور اسی حال میں اللہ تعالی سے ملاقات کی تو اس کا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد ہے چاہے تو اسے عذاب فرمائے اور چاہے تو اسے بخش دے۔ (مگر) جو اس حال میں اللہ تعالی سے ملاقات کرے کہ وہ کافر ہو تو اللہ تعالی اسے عذاب فرمائیں گے اور مغفرت نہیں فرمائیں گے (28)۔

تو ہم امید کرتے ہیں توبہ کرنے والے کے لیے ان شاءاللہ تعالیٰ۔

آگے فرمایا کہ:

"وہ بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے"۔

جیسا کہ قرآن کریم کے بہت سارے نصوص میں اور بہت سی احادیث میں یہ بات ذکر ہوئی ہے جس سے یہی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور رجوع کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

28 امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس نے کوئی ایسا گناہ کیا جس کی حد اس پر دنیا میں قائم ہو چکی ہو اور اس حال میں اللہ تعالی

سے ملاقات کی تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی خبر (حدیث) میں وارد ہوا"۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کہ آپ ﷺ اپنے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے تو فرمایا:

"أَلَا تُبَايِعُونِي؟ أو قَالَ: بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُونِي فِي المَعْرُوفِ. قَالُوا: بَايَعْنَاكَ عَلَى ذَلِكَ. قَالَ: فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ ذَلِكَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَعُوقِبَ به فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَتُهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ أَمرُهُ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ"

(کیا تم مجھ سے بیعت نہیں کرتے؟ یا یہ فرمایا کہ: مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کروگے، اور چوری نہ کروگے، اور زنا نہ کروگے، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے، اور اپنے ہاتھوں یا پیروں کے مابین کوئی بہتان گھڑ کر نہ لاؤ گے، اور معروف میں میری نافرمانی نہ کروگے)۔ یعنی وہی بیعت جو عورتوں سے لی گئی تھی اور لی جاتی تھی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ (صحابہ نے فرمایا: ہم ان باتوں پر آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اس بیعت کی وفا کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اور جو (شرک کے علاوہ) ان باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوا اور دنیا میں ہی اس کو اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے، اور جو ان باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوا لیکن

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کا پردہ رکھا تو پھر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے گا تو اس سے در گزر فرمائے گا اور اگر چاہے گا تو اسے سزا دے گا)۔

[رواه البخاري، كتاب الحدود – باب: الحدود كفارة، حديث رقم (6784)، ومسلم، كتاب الحدود – باب الحدود كفارات لأهلها، حديث رقم (1709) كلاهما من حديث عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ]

چنانچہ جو گنہگار ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء:48)

(بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جو گناہ ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے)

تو اس میں یہی بات ذکر ہوئی ہے کہ جو گنہگار گناہوں پر مصر ہو اور اسی حالت میں وہ وفات پا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت ہے اگر وہ چاہے گا تو اس سے در گزر فرمائے گا اور اگر چاہے گا تو وہ اس کی پکڑ کرے گا اور سزا دے گا، اور وہ تو بہت ہی غفور ورحیم و حلیم ہے۔ یہاں تک کہ بندے ایسے بھی آئیں گے جو پہاڑوں جتنے گناہ لے کر آئیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اسے بخش دیں گے اس شخص والی حدیث کہ جس کے گناہوں کے دفاتر ورجسٹر ننانوے ہوں گے تاحد نگاہ پھیلے ہوئے، لیکن وہ کلمہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ لے کر آئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیں گے۔

اقامتِ حدود کی مشروعیت

چنانچہ ایک موحد جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے جس نے شرک نہیں کیا تو اس کے لیے مغفرت ہے اس کے لیے آخر کار جہنم سے گلو خلاصی ہے۔

پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"لیکن جس نے کافر ہونے کی حالت میں اس سے ملاقات کی تو وہ اسے عذاب دے گا اور اسے نہیں بخشے گا"۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:48)
(بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جو گناہ ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے)

اور فرمایا:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ (المائدۃ:72)
(بے شک جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام قرار دیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے)۔

رجم (سنگسار) کرنا برحق ہے اس شخص کو جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، جب وہ اعتراف کرے یا اس پر دلیل و گواہی قائم ہو جائے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم فرمایا، اور آئمہ (خلفائے) راشدین نے بھی[29]۔

---

29 امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"رجم (سنگسار) کرنا برحق ہے اس شخص کو جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، جب وہ اعتراف کرے یا اس پر دلیل و گواہی قائم ہو جائے"۔

یہاں شادی شدہ زانی کی حد ذکر کی گئی ہے جو کہ رجم کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی رجم فرمایا جیسا کہ الغامدیہ رضی اللہ عنہا صحابیہ خاتون، اسی طریقے سے ماعز رضی اللہ عنہ صحابی اور دو یہودیوں کو رجم کیا جنہوں نے زنا کیا تھا، ان دونوں کو بھی رسول اللہ ﷺ نے رجم فرمای تھا۔

[ماعز اور غامدیہ والا واقعہ صحیح مسلم کتاب الحدود میں دیکھا جا سکتا ہے، باب من اعترف على نفسه بالزنا، حديث رقم (1692- 1695) من رواية جابر بن سمرة وإبن عباس وأبي سعيد الخدري وبريدة بن الحصيب رضی اللہ عنہم، جبکہ یہودیوں والا واقعہ صحیح بخاری کتاب الحدود میں دیکھا جا سکتا ہے باب أحكام أهل الذمة وإحصانهم إذا زنوا ورفعوا إلي الإمام، حديث رقم (6541) وصحيح مسلم، كتاب الحدود – باب رجم أهل الذمة فى الزنا، حديث رقم (1699) من رواية إبن عمر رضی اللہ عنہما]

اور یہی اللہ تعالیٰ کا حکم توراۃ میں بھی تھا، انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی یہی حکم ہے۔ تو یہ ان احکام میں سے ہے جس میں ان تینوں کتابوں میں اتفاق ہے اور شریعت اسلامیہ نے بھی اسے برقرار رکھا ہے یعنی رجم کا حکم۔ یہ اس سے پہلے توراۃ میں بھی مشروع تھا، انجیل میں بھی اور اب قرآن مجید میں بھی۔ یہ آیت نازل ہوئی تھی رجم کے تعلق سے پھر اس کی تلاوت کے الفاظ منسوخ ہو گئے لیکن اس کا حکم باقی رہا۔ اور یہ حدیث سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ:

"إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، وَكَانَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ قَرَأْنَاهَا ، وَحَفِظْنَاهَا وَ وَعَيْنَاهَا، وَأَخَذْنَاهَا، وَرَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، فَأَخْشَى أَنْ يَأْتِيَ قَائِلٌ وَ يَقُولَ: إِنَّنَا لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي الْقُرْآنِ، فَيَضِلُّ بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللهِ نَزَلَتْ فِي القرآن. ثم قال: وَحَدُّ الزَّانِي رَجُلاً أَوْ امْرَأَةً الرَّجْمُ إِذَا كَانَ هُنَاكَ إِقْرَارٌ أَوْ بَيِّنَةٌ أَوْ كَانَ الحَبَلُ"

(اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی، اور جو کچھ آپ ﷺ پر نازل فرمایا گیا اس میں سے رجم کے متعلق آیت بھی تھی، ہم نے اسے پڑھا اسے حفظ کیا، اسے اچھی طرح سے ہم نے سمجھ لیا اور اسے ہم نے لے لیا اس پر عمل بھی رہا، خود رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم فرمایا اور ان کے بعد ہم نے بھی، اور مجھے

خدشہ ہے کہ کوئی کہنے والا آئے اور یہ کہنے لگے کہ: ہمیں یہ رجم کا حکم قرآن میں تو نہیں ملتا، تو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے ایسے فریضے کو ترک کر کرے وہ گمراہ ہو جائے گا جو کہ قرآن مجید میں نازل ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا: زنا کرنے والے کی حد رجم ہے، چاہے مرد ہو یا عورت اگر وہ خود اقرار کریں، یا کوئی واضح دلیل ہو اس بارے میں، یا پھر جو عورت حاملہ ہو جائے)۔

[رواه البخاري، الحدود – باب رجم الحبلى من الزنا إذا أحصنت، برقم (6829 و6830) وصحيح مسلم، الحدود – باب رجم الثيب فى الزنا، حديث رقم (1691) من رواية إبن عباس رضی اللہ عنہما]

چنانچہ ایک شخص کو مرد کو رجم کیا جائے گا دلیل کی بنیاد پر یعنی چار گواہی دینے والے گواہی دیں، اگر چار نہ ہوں اس سے کم ہوں تین ہوں اور وہ گواہی دیں تو ان پر حد قذف لگے گی، تہمت لگانے کی حد۔ چنانچہ لازم ہے کہ چار گواہ موجود ہوں اور انہوں نے اس مرد کو دیکھا ہو کہ وہ اس عورت پر کے پاس آیا ہے اور اس نے اس طور پر جماع کیا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں چلی جاتی ہے یعنی باقاعدہ مرد کے ذَکَر (شرم گاہ) کو اس کی کو عورت کی فرج (شرم گاہ) میں داخل ہوتے ہوئے کھلم کھلا واضح طور پر دیکھیں ہو، لہذا ان کی گواہی قبول نہیں جب تک وہ چار نہ ہوں، اور انہوں نے باقاعدہ مشاہدہ کیا ہو دیکھا ہو اپنی آنکھوں سے یقینی طور پر زنا کا مخصوص عمل کرتے ہوئے، (اتنی کڑی شرائط اس کے لیے ہے) تاکہ عزت کی بھی حفاظت کی جائے اور جان کی بھی حفاظت کی جائے:

﴿لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ (النور: 13)

(یہ لوگ (جو تہمت لگا رہے ہیں زنا کی) اس پر چار گواہ کیوں نہ لے کر آئے؟ پس اگر یہ گواہ نہ لا سکیں تو یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے ہیں)

لہذا ایک تو یہ طریقہ ہے، دوسرا یہ کہ وہ خود اعتراف کرے جس طرح ماعز اور غامدیہ رضی اللہ عنہما نے اعتراف کیا تھا، یا پھر عورت کے تعلق سے حمل ظاہر ہو جائے، اگر اس کا حمل ظاہر ہو تو یہ تو سب سے مضبوط شاہد اور گواہی ہے اس بارے میں۔ چنانچہ شاہد یہ ہے ان تمام باتوں میں کہ رجم نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ واضح دلیل کے ساتھ ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ یا تو گواہی ہو اس طور پر کہ یا تو چار گواہ ہوں وہ پوری اس طریقے سے گواہی دیں جو میں نے ابھی ذکر کی، یا پھر جو زانی ہے مرد یا عورت وہ خود اس بات کا اعتراف کریں، یا پھر عورت کے تعلق سے حمل ظاہر ہو جائے۔ یہ جو زانی کی حد ہے یہ اس کے لیے ہے جو محصن ہو یعنی جو شادی شدہ ہے، اور محصن وہ شخص وہ مرد ہوتا ہے جس نے عورت سے شادی کر رکھی ہوتی ہے صحیح عقد نکاح کے ساتھ، اور اس سے اس نکاح میں جماع کیا ہوتا ہے اس شخص کو محصن کہا جاتا ہے۔ تو یہ شرائط ہیں زنا کے تعلق سے کہ: وہ عاقل ہو پاگل نہ ہو، بالغ ہو نابالغ بچہ نہ ہو، آزاد ہو غلام نہ ہو کیوں کہ اگر وہ غلام ہو گا یا لونڈی ہو گی اگرچہ وہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو شرعی نکاح کے ساتھ پھر بھی ان کی جو حد ہے وہ آزاد شخص کی حد سے آدھی ہے یعنی پچاس کوڑے لگانا، اور جو رجم ہے اس کا آدھا یا نصف ہوتا نہیں ہے۔ کیوں کہ جو آزاد شخص غیر شادی شدہ ہے چاہے وہ مرد ہو یا

کسی بھی صحابیٔ رسول ﷺ کی شان میں تنقیص کرنے والے کی تبدیع

جس نے کسی ایک بھی صحابیٔ رسول اللہ ﷺ کی شان میں تنقیص کی، یا ان سے کسی واقعے کی

عورت اس کی حد قرآن کریم میں ذکر ہوئی ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (النور:2)
(زانی عورت ہو یا مرد ان دونوں کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے تعلق سے ان پر ترس نہیں آنا چاہیے، اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو)

چنانچہ جو غلام ہے اس کی آزاد کی حد سے نصف ہے آدھی ہے یعنی پچاس کوڑے، جبکہ رجم نہیں ہے غلاموں کے لیے، اگرچہ وہ شرعی طور پر شادی کر چکے ہوں صحیح عقد نکاح کے ساتھ، اس کے اوپر صرف یہی ہے کہ جو آزاد ہے اس کی حد کا نصف لگایا جائے جو کہ پچاس کوڑے ہیں۔

آگے فرمایا کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کی حد لگائی اور آئمہ راشدین نے بھی"۔

ان دونوں فقروں سے متعلق کلام پہلے گزر چکا ہے۔

بناء پر جو ان سے صادر ہوا بغض کیا، یا پھر ان کی برائیاں بیان کیں، تو وہ اس وقت تک بدعتی رہے گا جب تک کہ تمام (صحابہ) پر رحم نہ کرے، اور اس کا دل ان کے بارے میں (کسی بھی قسم کے کینے سے) صاف و سلیم نہ ہو جائے۔ (30)

---

30 اس کی شرح کرتے ہوئے شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ اہل السنۃ کے اصول میں سے ہے کہ کسی بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں تنقیص کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان کی برائیاں، یا کوئی واقعہ جو ان سے رونما ہوا ہو (اسے مذمتی پہلو سے) ذکر کرنا۔ لیکن شدید افسوس کی بات ہے کہ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ جن کے نزدیک دین اتنا حقیر ہے، اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے حقیر ہیں، عقائد اسلام کی اتنی حقارت ہے کہ وہ ایسے شخص کو سید السادات اور امام الآئمہ مانتے ہیں کہ جو انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں توہین کرتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کرتا ہے، ان کی تکفیر کرتا ہے، ان پر نفاق کی تہمت لگاتا ہے، اور پوری امت کی ہی تکفیر کرتا ہے۔ کن لوگوں کے نزدیک (اس قسم کا شخص سید السادات اور امام الآئمہ ہے)؟

ان لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ اُمت کا کھویا ہوا وقار ہم واپس لا کر دیں گے اور اُمت کو ہم عروج سے ہمکنار کریں گے۔ اس قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کے تعلق سے ہم بالکل بھی امانت دار نہیں سمجھتے بلکہ یہ تو روافض سے جا کر مل جاتے ہیں، کیوں کہ بلاشبہ یہ اس رافضیت کا دفاع کرتے ہیں، اور اس الحاد کا دفاع کرتے ہیں، اور اس زندقیت کا دفاع کرتے ہیں،

اور ان کتابوں کا دفاع کرتے ہیں جو ان جرائم سے بھری پڑی ہیں، اور اسی بنیاد پر الولاء والبراء (دوستی اور دشمنی) قائم کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر ہم کسی طرح بھی اعتبار نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے تعلق سے امانت دار ہیں، یہ ناقابل اعتبار، غیر ثقہ اور بے وقعت لوگ ہیں۔ واجب ہے کہ انہیں رافضیوں اور جتنے گمراہ گروہ ہیں ان کے ہی ساتھ ملا لیا جائے اور ان کے خلاف سخت طریقے سے نبرد آزما ہوا جائے، جنگ کی جائے، یہ لوگ خائن اور دھوکے باز ہیں، انہوں نے امت کے فرزندان کو کو ضائع کر دیا اور انہیں اپنی تلبیس، حیلے اور مکر کے ذریعے پیس کر رکھ دیا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے، یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔ کیسے آپ کہتے ہیں کہ: ہم اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہیں؟ جب کہ آپ ایک وادی میں ہیں اور اہل السنۃ دوسری وادی میں ہیں، جب بھی ہم کسی وادی میں آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپ اہل بدعت کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، جب ہم کسی اہل سنت کی گھاٹی میں سے کسی گھاٹی پر اترتے ہیں تو پاتے ہیں کہ آپ دوسری جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ اہل بدعت و ضلالت کا دفاع کرتے ہیں اور ان کے لیے غصہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! انہوں نے اس قسم کے قواعد اور مناہج خود سے بنائے اور وضع کیے ہیں اور پوری دنیا کو اٹھا کر اہل بدعت کی حمایت کرنے کے لیے بٹھا دیا ہے، ایسے لوگ کیسے اہل السنۃ میں سے ہو سکتے ہیں؟! واجب ہے کہ انہیں اہل بدعت اور اہل ضلالت کے ہی ساتھ ملایا جائے، اور روافض میں ہی ان کو گنا جائے اور اسی طرح دیگر کے ساتھ کیا جائے (یعنی جو جس گمراہ کے دفاع وحمایت میں مرا جا رہا ہو وہ اسی میں سے ہے)۔ اگرچہ وہ منہ سے دعویٰ کرتے

رہیں کہ ہم رافضیوں کی ضد میں ہیں، ہم ان کے اس دعوے کی تصدیق نہیں کریں گے اور نہ اپنی اولادوں کے تعلق سے انہیں امانت دار سمجھیں گے۔ آج ہماری اولاد ایسے مدارس وجامعات میں پڑھتی ہے جہاں یہ اہل بدعت موجود ہوتے ہیں اور وہی ان کی تربیت کرتے ہیں۔ اس فساد کے اوپر، اس ضلالت وگمراہی پر، اور اپنے دین کو ضائع کرنے پر، منہج اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ذہن سازی پر ان کی تربیت کرتے ہیں۔ اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ یہ نوجوان ان کے آگے سر جھکائے ہوتے ہیں، اور ان کی بات مانتے ہیں، اور ان ان دھوکے بازوں اور نوجوانوں کی عقلوں سے کھیلنے والوں پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔

لہذا امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس کسی نے بھی صحابی رسول ﷺ میں سے کسی ایک کی بھی شان میں تنقیص کی، یا ان سے کوئی واقعہ رونما ہوا تھا تو اس کی وجہ سے ان سے بغض رکھا"۔

اگر ایسا ہوا بھی ہو، اور ثابت بھی ہو کہ فلان صحابی سے کوئی غلطی ہو گئی تھی تو آپ اس کا تذکرہ کرتے نہ پھریں، نہ ہی اس واقعے کو ان کی شان میں تنقیص کا سبب بنائیں، بلکہ آپ کہیں کہ وہ مجتہد تھے۔ یہ ہے اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب کہ بلاشبہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین اختلاف ہوا بھی تو وہ سب مجتہد تھے، اور بہت ساری باتیں جو ان کی جانب منسوب کی جاتی ہیں وہ تو جھوٹ ہی ہوتی ہیں، اور بہت ساری جو ان کی جانب منسوب کی جاتی ہیں ان میں تحریف کی گئی ہوتی ہے، اس میں تغیر و تبدیلی کی گئی ہوتی ہے، کچھ نقص اور زیادتی کی گئی ہوتی ہے، جیسا کہ شیخ

الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔

[انظر "العقيدة الواسطية" (155/3 – "مجموع الفتاوى")]

اور اگر ان سے کوئی غلطی ثابت بھی ہو تو وہ بحر میں قطرے کی مانند ہے۔ ان کا جو بحر ہے ان کا جو بے پایاں سمندر ہے نیکیوں کا اس میں ایک قطرے کے برابر ہے۔ یعنی کوئی خطاء اگر ہو جائے تو ان کے آپ حسنات اور نیکیاں دیکھیں جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اتنا بڑا چڑھا دیا ہے کہ ان کی ایک کھجور جو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ اُحد پہاڑ سے بھی بڑھ کر افضل ہے۔ یعنی آپ آج جبل اُحد کے برابر سونا خرچ کریں اور وہ ایک مٹھی بھر یا اس کا بھی نصف (آدھا) جَو خرچ کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے اس جبل اُحد سے بھی زیادہ بڑھ کر افضل ہے، بارک اللہ فیک۔ اگرچہ آپ ایسے کئی پہاڑ جمع کر دیں ان نفقات (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے) کے ذریعے تو بھی آپ کسی بھی اصحاب رسول اللہ ﷺ کے مد تک نہیں پہنچ سکتے۔

تو پھر واجب ہے ہم پر کہ ہم ان کا احترام کریں، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی جو قدر و منزلت ہے اسے پہچانیں کیوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ایک مد بھر یا اس کا بھی آدھا، جو کبار تابعین بھی اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں اس سے بڑھ کر افضل اور برتر فرما دیا ہے، تو پھر آپ کا کیا حال ہوگا؟! یعنی وہ لوگ جو اصحاب رسول اللہ ﷺ پر طعنہ زنی کرتے ہیں، ان کی عظمت نہیں مانتے، ان کی قدر و منزلت کو نہیں پہچانتے بلکہ ان کی توہین کرتے ہیں، جو ایسے لوگوں کا دفاع کرتے پھرتے ہیں اور ان

نفاق کی تفسیر

نفاق کفر ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالی کا کفر کرے اور غیر کی عبادت کرے، (لیکن) ظاہر میں اسلام کا اظہار کرے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں منافقین تھے [31]۔

سے دوستی و محبت کرتے ہیں تو ایسے لوگوں نے واقعی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قدر و منزلت نہ پہچانی، ورنہ پھر کس طرح سے وہ دوستی و محبت کر سکتے ہیں ان سے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کرے؟! ان کی ایسی کتابیں شائع ہوتی ہیں، نشر ہوتی ہیں جن میں اصحاب محمد ﷺ پر سب و شتم کیا گیا ہوتا ہے، وہ اسے رواج دیتے ہیں لوگوں میں اور اس کا دفاع کرتے ہیں اور پھر بھی یہ کہتے پھرتے ہیں کہ: ہم اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہیں!! لا واللہ! لا واللہ! لا واللہ! بلاشبہ اہل السنۃ والجماعۃ اس قبیل و قماش کے لوگوں سے بَری ہیں۔

31 امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا کہ:

"نفاق کفر ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالی کا کفر کرے اور غیر کی عبادت کرے"۔

نفاق یہ ہے کہ اسلام کا اظہار کیا جائے اور باطن میں کفر کو رکھا جائے کہ غیر اللہ کی عبادت کرے، یا غیر اللہ کی عبادت بھی نہ کرے ہو سکتا ہے وہ زندیق ہو کہ وہ اللہ تعالی کی بھی عبادت نہیں کرتا غیر کی بھی عبادت نہیں کرتا، جیسا کہ کمیونسٹ لوگ ہوتے ہیں وہ اسلام کو ظاہر کر رہے ہوتے ہیں بسا اوقات اور کفر اندر انہوں نے چھپا رکھا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ غیر اللہ کی

عبادت کرے نہ کرے وہ منافق ہے، غیر اللہ کی عبادت کرے تو منافق ہے اور کسی کی بھی عبادت نہ کرے اور ظاہر اسلام کرے وہ بھی منافق ہے۔

تو شاہد یہ ہے اس میں یعنی منافق کی تعریف کہ: اسلام کو ظاہر کرے بطور نفاق، بطور کذب (جھوٹ) اور تقیہ اختیار کرتے ہوئے جبکہ کفر کو اندر پنہاں رکھے یعنی باطن میں کفر اس کے اندر موجود ہو۔

اسی طریقے سے بہت سے لوگ کہتے ہیں ہم اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہیں حالانکہ وہ بدعتی ہوتے ہیں، وہ بدعات میں ملوث اور مشغول ہوتا ہے اور ظاہر یہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: میں اہل السنۃ میں سے ہوں۔ یہ بھی نفاق ہے کہ وہ دوسری طرف محبت اور دوستیاں، یاریاں رکھتے ہیں اہل بدعت کے ساتھ جو بدعات کے اندر ملوث ہیں اس میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ساتھ میں کہتے ہیں کہ ہم اہل السنۃ میں سے ہیں۔ تو بلاشبہ ان کے جھوٹا ہونے کی اور ظاہر کچھ کرنے اور اندر کچھ ہونے کی علامات میں سے یہ ہے کہ یہ لوگ دوستی رکھتے ہیں اہل بدعت کے ساتھ بلکہ ایسے مناہج اور اصول لوگوں کو گھڑ کر بتاتے ہیں جس کے ذریعے سے وہ اہل بدعت کا دفاع کر سکیں۔

ہمیں عقل مند، ذہن اور فطین نوجوانوں کی ضرورت ہے کہ جن کے پاس جو ولاء (دوستی اور محبت) ہے وہ ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کے رسول ﷺ کے لیے اور مومنین کے لیے ہو، اور مومنین میں سے سر فہرست اصحاب محمد ﷺ ہیں ان کے

لیے ہو، اگر ہم اس میں خلل دیکھیں گے اس ولاء میں تو پھر یقیناً اس کے عقیدے میں خلل ہے، اور خطرناک خلل ہے جو انسان کے دین کے بہت بڑے حصے کو ضائع کر دیتا ہے۔

تو یہ منافق ہے، منافق وہ ہے جو کفر کو اپنے اندر باطن میں چھپا کر رکھے، امام صاحب فرماتے ہیں:

''علانیہ تو اسلام کا اظہار کرے، ان منافقین کی طرح جو عہد رسول اللہ ﷺ میں موجود تھے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ جو نفاق تھا وہ صرف عہد نبوی ﷺ تک تھا اور اس کے بعد ختم ہو گیا حالانکہ یہ بات غلط ہے، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آج جو نفاق ہے وہ زیادہ شدید ہے عہد نبوی ﷺ میں پائے جانے والے نفاق سے۔ ان سے پوچھا گیا کس طرح؟ انہوں نے فرمایا کہ:

جو منافقین ہوتے تھے رسول اللہ ﷺ کے عہد اور زمانے میں وہ تو اپنا نفاق چھپاتے تھے، جبکہ

''أَمَا الْيَوم فَإِنَّهُم قَدْ أَظْهَرُوا نِفَاقَهُمْ''

(لیکن آج تو یہ لوگ یقیناً اپنا نفاق ظاہر کرتے ہیں)۔

[رواه النسائي فی الکبری برقم (11595) ونحوه عند البخاري فی صحيحه برقم (7113) والطيالسي فی مسنده (55/1 برقم 410) وإبن أبي شيبة فی المصنف (109/15) والبزار فی مسنده برقم (2900 و2901) والفريابي فی صفة المنافق برقم (53-56) والبيهقي فی السنن الکبری (200/8)]

آج تو یہ بہت کثرت کے ساتھ موجود ہے خصوصاًان سیاسی تحریکوں میں جس کی خود ان میں سے بعض لوگ گواہی دیتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ: میں کسی بھی سیاسی کو نہیں جانتا جو جھوٹ نہ بولتا ہو۔

اور بعض کہتے ہیں کہ: سیاست تو نفاق کا ہی نام ہے۔

تو بہت سارے یہ جو سیاسی قسم کے اور تحریکی لوگ ہیں ان کے ہاں عملی نفاق پایا جاتا ہے ان حزبیات میں سیاسی جماعتوں میں میں۔ اور ان کے نفاق کی علامات میں سے یہ ہے کہ وہ اہل بدعت سے دوستیاں اور یاریاں کرتے ہیں، اور ایسے خطرناک مناہج اپنی طرف سے وضع کرتے ہیں کہ جن سے اہل السنۃ کے منہج کا توڑ کیا جائے اور اسے منہدم و برباد کیا جائے، جیسا کہ منہج الموازنات ہے (کہ بدعتی کا رد کرتے ہوئے اس کی اچھائیاں بھی بیان کرو اور ان میں موازنہ کرو جس کو عدل وانصاف کا نام دیتے ہیں) یا "المنهج الواسع الأفيح" (ایسا وسیع منہج جو تمام امت کو اپنے اندر لے لے یعنی کوئی تمیز نہیں اہل السنۃ میں اور اہل بدعت میں) اور اس طریقے کے اور اصول ہیں جو انہوں نے وضع کیے ہیں اہل السنۃ کے خلاف جنگ کرنے کے

ہم نصوص کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں اگرچہ ہمیں اس کی تفسیر معلوم نہ بھی ہو

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ''[32]

لیے اور اہل بدعت اور ضلالت کے دفاع کرنے کے لیے۔

32 مکمل حدیث اس طرح ہے کہ:

'' وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ، وَزَعَمَ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ خَلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ''

(اگرچہ وہ نماز پڑھے، روزے رکھے اور اپنے آپ کو مومن تصور کرے: جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے)۔

من رواية أبي هريرة رضی اللہ عنہ أخرجه أحمد فی مسنده (536/2) والبزار فی مسنده (7843) و (8624) ومحمد بن نصر المروزي فی "تعظيم قدر الصلاة" برقم (576) والحسن بن سفيان النسوي فی "الأربعين" برقم (12) والفريابي فی "صفة المنافق" برقم (5) وإبن منده فی "الإيمان" (606/2 برقم 530) وأبو نعيم فی "المستخرج على مسلم" (108/1 برقم 207) والبيهقي فی "الكبرى" (288/6) وأصله فی صحيح مسلم برقم (59) (109)۔

(تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں تو وہ منافق ہے)۔

یہ تغلیظ و سختی کے پیش نظر فرمایا گیا جسے ہم بلا تفسیر کے اسی طرح روایت کر دیتے ہیں جیسی یہ بیان ہوئی ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ:

''لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ''[33]
(میرے بعد کافر و گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے (قتل کرنے) لگ جاؤ)۔

یا جیسے فرمایا:

''إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا، فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ''[34]

---

33 مسند احمد، قصۂ ابی الغادیہ، حدیث رقم (16644)۔ اور جو ''ضلالا'' کے لفظ کے بغیر روایت ہے، وہ صحیح بخاری: کتاب العلم، باب الفتن، باب قول النبی ﷺ: ''لاترجعوا۔۔۔''، حدیث رقم (7077) اور صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب معنی قول النبی ﷺ: ''لاترجعوا بعدی کفارا۔۔۔''، حدیث رقم (65) میں ہے۔

34 صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب ﴿وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ فساهم المؤمنين، حدیث رقم (31)۔ مسلم: کتاب الفتن واشراط الساعة، باب اذا تواجه المسلمان بسيفيهما، حدیث رقم (2888) من حديث أبي بكرة رضی اللہ عنہ۔

(اگر دو مسلمان تلوار سونتے آمنے سامنے مد مقابل ہوں تو قاتل و مقتول دونوں آگ میں ہیں)۔

یا جیسے فرمایا:

''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ''[35]
(مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے)۔

یا جیسے فرمایا:

''مَنْ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا''[36]
(جس کسی نے اپنے (مسلمان) بھائی کو کہا اے کافر! تو یہ (تکفیر) ان میں سے ایک پر لوٹ آئے گی)۔

---

[35] رواه البخاری: الایمان، **باب خوف المؤمن من ان یحبط عمله وهو لا یشعر**، حدیث رقم (48)، ومسلم: کتاب الایمان، باب بیان قول النبی ﷺ: ''**سباب المسلم فسوق وقتاله کفر**''، حدیث رقم (64) من حدیث عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

[36] رواه البخاری: کتاب الادب، **باب من اکفر بغیر تاویل فهو کما قال**، حدیث رقم (6103، 6104) من حدیث أبي هریرة وإبن عمر رضی اللہ عنہم ومسلم: کتاب الایمان، **باب بیان حال ایمان من قال لاخیه المسلم: یاکافر**، حدیث رقم (60) من حدیث إبن عمر رضی اللہ عنہما۔

یا جیسے فرمایا:

''كُفْرٌ بِاللهِ تَبَرُّؤٌ مِنْ نَسَبٍ وَإِنْ دَقَّ''[37]

(اپنے نسب سے خواہ اس کا نسب کتنا ہی کمتر کیوں نہ ہو بری الذمہ ہونا اللہ تعالی کے ساتھ کفر کرنا ہے)۔

اور اس جیسی دیگر احادیث جو صحیح و محفوظ ہیں ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں اگرچہ ہم اس کی تفسیر نہ بھی جانتے ہوں، اس کے خلاف کلام یا جدال نہیں کرتے، اور ان کی تفسیر نہیں کرتے مگر اسی طرح جیسے یہ بیان ہوئی ہیں اور اسے اس کے سب سے برحق[38] مفہوم کی طرف پھیرتے ہیں[39]۔

---

[37] رواه أحمد (215/2 برقم 7019) ونحوه عند إبن ماجه برقم (2744)، والطبراني في الأوسط (47/8 برقم 7919) وفي الصغير (226/2 برقم 1072) من حديث عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہما اس کے علاوہ اسے امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الایمان میں ذکر کیا، اور شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

[38] لالکائی میں ''بالحق'' ہے اور طبقات الحنابلہ میں ''بأجود'' (سب سے بہتر) کے الفاظ ہیں۔

[39] امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: تین باتیں ایسی ہیں جس میں پائی جائیں وہ منافق ہے''۔

تو جب امام احمد رحمہ اللہ نے نفاق کا ذکر کیا اور اس کی تعریف ذکر کی کہ: ''اسلام کو ظاہر کرنا

اور کفر کو اپنے دل میں چھپا رکھنا'' تو یہ احادیث اس کے بعد لے کر آئے ہیں جس میں منافقین کی علامات ذکر کی گئی ہیں (ان کی نشانیاں)۔ تو امام احمد رحمہ اللہ نے ان دونوں قسموں میں تفریق کی ہے یعنی عقیدے کے کے لحاظ سے جو منافق ہے اور جو عملی نفاق ہے، کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ: (تین باتیں ایسی ہیں جس میں پائی جائیں وہ منافق ہے) یہ تغلیظ و سختی (یعنی اس کی سنگینی بیان کرنے کے لیے ہے''۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہیں کہ وہ عقیدے کے اعتبار سے منافق لوگ ہیں کہ جو اپنے دل میں کفر کو چھپا کر رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے کفر، فرشتوں سے، کتابوں سے، رسولوں سے، یوم آخرت سے۔ نہیں، یہاں الگ نفاق کی بات ہو رہی ہے اور ایسا فرمانا تغلیظ کے لیے ہے یعنی منافقین کی خصلتوں میں سے ایک خصلت اس کے اندر پائی جاتی ہے، اور علماء کرام اسے نفاق عملی کا نام دیتے ہیں چنانچہ یہ حدیث اس طرح سے ہے کہ فرمایا:

''ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ''

(تین باتیں ایسی ہیں جس میں پائی جائیں وہ منافق ہے: جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، جب اسے امانت سونپی جائے تو خیانت کرے)۔

اور ایک روایت میں ہے:

''وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ''

(جب وہ جھگڑا کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے، اور جب کوئی عہد کرے تو غداری کرے)۔

[رواه البخاري، كتاب الإيمان – باب علامات المنافق، حديث رقم (33،34) ومسلم، كتاب الإيمان – باب بيان خصال المنافق، حديث رقم (58،59) من حديث أبي هريرة وعبدالله بن عمرو رضي الله عنهم]

تو یہ جو علامات ہیں انہیں منافقین کی علامات کہا جاتا ہے جو عملی نفاق ہے۔ یعنی ان کے ہاں باطن میں کفر نہیں ہوتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ باطن میں بھی کفر ہو ایسے لوگوں کے پاس اسی لیے فرمایا:

''مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا''

(جس میں یہ ہو تو وہ خالص منافق ہے)۔

ہو سکتا ہے وہ سو فیصد منافق ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس عملی نفاق موجود ہو دونوں صورتوں میں بہر حال ہم پر واجب ہے کہ ہم اس سے خبر دار رہیں اس قسم کے شخص سے کہ جب وعدہ کرتا ہے وعدہ خلافی کرتا ہے، بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، امانت میں خیانت کرتا ہے، جب جھگڑا ہو تو بد کلامی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم پر یہ واجب ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں ہم بد گمانی رکھیں اور اس سے خبر دار رہیں اس سے خبر دار کریں کیوں کہ اس میں

اصلی اور حقیقی منافقین کی علامت میں سے بڑی قوی علامات پائی جاتی ہیں۔ ہم جزم کے ساتھ یقین کے ساتھ تو نہیں کہتے لیکن پھر بھی ہم اس سے احتیاط کریں گے اور اس سے خبردار رہیں گے۔

تو وہ احادیث ہم ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں ہم جزم سے اور یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کے مرتکب جو لوگ ہیں وہ کفار ہیں بلکہ ہم اس میں توقف اختیار کرتے ہیں، یہ ان احادیث کی ہیبت کی وجہ سے ہے، کیوں کہ بعض سلف فرماتے ہیں کہ: ہم ان احادیث کی تفسیر بھی نہیں کریں گے، اور بعض سلف سے ثابت ہے کہ وہ اس کی تفسیر کرتے تھے تاکہ خوارج جیسے گمراہوں کا رد کریں۔ کیوں کہ خوارج کہتے ہیں کہ جس میں ان علامات میں سے کوئی علامت پائی جائے وہ سو فیصد کافر ہے۔ اور اس قسم کی باتوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کی تکفیر کرتے تھے لیکن ہم نہیں کرتے۔ ہم ان احادیث کو ذکر تو کرتے ہیں تخویف کے لیے، ڈرانے کے لیے، ترہیب کے لیے، صرف اس لیے ہم ذکر کرتے ہیں لیکن مثال کے طور پر کبھی ہمیں کوئی مناقشہ درپیش ہو جائے کسی کے ساتھ تو ہم لوگوں کے سامنے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ یہ عملی نفاق ہے اور یہ کفر دون کفر (یعنی بڑے کفر سے جس سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس سے کمتر کفر ہے)، کیوں کہ جو کفر ہے وہ کفر اکبر اور اصغر میں تقسیم ہوتا ہے، اسی طرح جو نفاق ہے وہ بھی نفاق اکبر اور اصغر میں تقسیم ہوتا ہے، اور شرک بھی شرک اکبر اور اصغر میں تقسیم ہوتا ہے۔

اگر ہمارا خوارج میں سے جو غالی لوگ ہیں ان سے سامنا ہو جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اس صورت میں ہم مجبور ہیں اس کی اس طریقے سے تفسیر کریں کہ یہ کفر دون کفر اور کفر اصغر ہے۔ جب ہم یہ دیکھیں کہ عوام دھوکے میں مبتلا ہو رہی ہے یا ہم یہ دیکھیں کہ عوام گناہوں اور معاصی میں لاپرواہی کے ساتھ مبتلا ہے تو پھر ہم ان کے سامنے یہ احادیث ڈرانے کے لیے پیش کریں گے اور اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے (کیوں کہ اصل مقصود تو ان کو ڈرانا ہے اور وہ یہی سمجھیں کہ اس میں سختی سے ڈرایا گیا ہے اس کو کفر تک کہا گیا ہے)۔

تو یہ ظاہر مذہب ہے امام احمد رحمہ اللہ کا اور اس کی دلیل وہ ہے جو کچھ یہاں پر ذکر ہوئی ہے۔ (یعنی ایسا نہیں ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ یہ تفصیل بیان نہیں کرتے تھے جو ہم بیان کر کے خوارج کا رد کرتے ہیں، تو اس کی دلیل یہ ہے کہ) امام احمد رحمہ اللہ خود خوارج کا رد کرتے ہیں ان کے حکم لگانے اور تکفیر کرنے پر بلکہ وہ تو سب سے شدید طریقے سے ان کے خلاف لڑائی کرنے والے تھے، چونکہ یہ جو خوارج ہیں اسی قسم کی چیزوں سے چمٹے رہتے ہیں جو یہاں پر ذکر کی گئی ہیں، پس اس کے ذریعے سے وہ گنہگاروں کی تکفیر کرتے ہیں جو اہل کبائر (کبیرہ گناہ کے مرتکب) ہیں۔

جب کہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ جو کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگ ہیں ان کی ہم تکفیر نہیں کرتے۔

فرمایا:

"مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: (میرے بعد کافر اور گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو)"۔

تو خوارج اس قسم کے نصوص کے ذریعے تکفیر کرتے ہیں لیکن اہل السنۃ کہتے ہیں کہ نہیں اس طریقے سے نہیں ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:9-10)

(اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو، اور اگر ان میں ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے تو پھر اس باغی گروہ کے خلاف تم سب مل کر لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پس اگر وہ لوٹ آئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف تو ان کے مابین صلح کرا دو عدل کے ساتھ اور انصاف کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، مومنین تو نہیں ہیں مگر آپس میں بھائی بھائی ہی)

تو یہاں پر آپ دیکھیں کہ ان کے ایمان کی گواہی دی گئی اور ان کی آپس میں بھائی چارگی، ایمانی اخوت کی بھی گواہی دی گئی حالانکہ وہ آپس میں قتال کر رہے ہیں، قتل کر رہے ہیں ایک دوسرے کو، ایک دوسرے پر انہوں نے تلواریں اٹھائی ہیں لیکن یہ جو تلوار اٹھانے والا ہے

اپنے مسلمان بھائی کے خلاف اگر وہ اس کو حلال سمجھتے ہوئے کرتا ہے تو اس صورت میں وہ کافر ہے، البتہ اگر وہ اس کو حرام ہی سمجھتا ہے اس کے خون کی حرمت کا قائل ہے لیکن وہ کسی خواہش کی وجہ سے، شہوت کی وجہ سے، کسی غرض کی وجہ سے یا کسی حسد کی وجہ سے یا مختلف چیزوں کی وجہ سے اس سے قتال کر رہا ہوتا ہے لیکن وہ جو قاتل ہے اس کو حرام کو ہی سمجھتا ہے تو پھر اس صورت میں وہ کافر نہیں ہے، لیکن اس کے پاس کفر دون کفر موجود ہے وہ کفر عملی موجود ہے جو اسے ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا۔ اسی لیے امام ابو عبید رحمہ اللہ وغیرہ اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور آئمہ اسلام جتنے بھی ہیں سب کے سب انہوں نے تفسیر کی ہے اس قسم کی احادیث کی جن سے خوارج چمٹے رہتے ہیں، اور پھر مسلمانوں کی اس کے ذریعے سے تکفیر کرتے ہیں جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں جیسا کہ زنا ہے، شراب خوری ہے، قتل و قتال ہے اور اس جیسی دوسری چیزیں اس وجہ سے وہ انہیں کافر قرار دیتے ہیں، تو جو اہل السنۃ ہیں وہ ان احادیث کی تشریح کرتے ہیں ان چیزوں کے ذریعے جو ابھی ہم نے کی ہے اور اسی قسم کی وہ اس کی تفسیر کے قائل ہیں۔

اسی طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ:

''لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ''

(زنا کرنے والا جب زنا کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا)۔

[رواه البخاري، كتاب الأشربة — باب وقول الله تعالى: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ...﴾

حديث رقم (5578) ومسلم، كتاب الإيمان – باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي...، حديث رقم (57)]

اس پر حد قائم کی جائے گی یا تو رجم ہو گا اگر وہ شادی شدہ ہے یا پھر اسے کوڑے لگائے جائیں گے اگر وہ غیر شادی شدہ ہے۔ اگر وہ کافر ہوتا تو مرتد کا حکم نافذ ہوتا کہ:

''مَن بدَّلَ دِينَهُ فاقتُلوهُ''

(جو اپنے دین (اسلام) کو بدل دے (مرتد ہو جائے) اسے قتل کر دو)۔

[یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے]

تو اس کا حکم تو صرف قتل ہے۔ اسے توبہ کے لیے کہا جائے اگر توبہ کر لے تو صحیح ورنہ قتل کر دیا جائے، اور بطور حد نہیں بلکہ بطور ارتداد، مرتد ہونے کے اسے قتل کیا جائے گا۔

اسی طرح جو چور ہے اس کے ہاتھ کو کاٹا جائے گا بطور حد، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدۃ:38)

(چور مرد اور چور عورت ان کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں)

اگر یہ کفر ہوتا تو انہیں قتل کر دیا جاتا اور ہاتھ نہ کاٹے جاتے۔

بارک اللہ فیکم، چنانچہ ہم شریعت کو پورے کا پورا لیتے ہیں بالکل کامل طور پر اور جتنے بھی

نصوص اور دلائل ہوتے ہیں ان کو جمع کرتے ہیں، لیکن جن لوگوں کے دل میں ٹیڑھ پن ہوتا ہے وہ اس میں سے متشابہ کی پیروی کرتے ہیں فتنہ مچانے کو، اس کی غلط تاویل کرنے کو، جبکہ جو اہل السنۃ ہیں وہ محکمات کو لیتے ہیں اور جو متشابہات آتی ہیں انہیں بھی محکمات کی جانب لوٹاتے ہیں۔ تو اس قسم کے جو متشابہ نصوص ہیں ان کو وہ لوٹاتے ہیں محکمات کی طرف اور ان کے درمیان جمع کرتے ہیں، ایسا نہیں کرتے کہ ایک نص کو دوسرے نص سے ٹکرائیں جیسا کہ خوارج کرتے ہیں یا ان کے علاوہ دیگر اہل بدعت بھی کرتے ہیں جیسا کہ مرجئہ، معتزلہ وغیرہ کہ جو ان نصوص کے ذریعے متشابہات کی پیروی کرتے ہوئے شبہے میں ہو کر پھر اپنی بدعت کی اختراع کرتے ہیں اور اسے ایجاد کرتے ہیں، اس کے ذریعے سے وہ پھر مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں اور مختلف قسم کی چیزوں کے وہ قائل ہوتے ہیں۔۔۔

لیکن جو اپنے علم میں راسخ اور مضبوط ہیں یہ ان کا طریقہ ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ وہ نصوص کو جمع کرتے ہیں آپس میں ان کے درمیان جوڑ پیدا کرتے ہیں، جمع و توفیق کرتے ہیں تاکہ اس طریقے سے تمام پر عمل پیرا ہو سکیں۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ: تو اس قسم کے نصوص کے تعلق سے ہم کہتے ہیں کہ یہ کفر دون کفر ہیں، البتہ ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم اس ان مواقع پر کفر کا اطلاق کریں جن پر ہوا ہے، لیکن ساتھ میں عقیدہ رکھیں کہ یہ کفر دون کفر ہے۔ اور اگر کفر اکبر ہو تو اس کے متعلق وہی عقیدہ رکھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنا انہیں جھٹلانا، یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا، ان کو گالیاں دینا نعوذ باللہ، یا ایسی چیز کا انکار کرنا جس پر اجماع ہے پوری امت کا یعنی جو دین میں بدیہی طور پر

معلوم ہوتی ہے ایسی عام بات کہ ہر کوئی جانتا ہے اس کی فرضیت کو یا حرمت وغیرہ کو اس کا انکار کر دینا جانتے بوجھتے، یا ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار کرنا جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، اسی طرح فرشتوں کا انکار کر دینا، یا جنت کا جہنم کا یا اس جیسی چیزوں کا، تو یہ کفر اکبر ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ سے، اس کے رسول اور اس کی کتاب سے استہزاء کرنا یعنی مذاق مذاق اڑانا، یا دین حق سے اعراض کرنا مکمل رو گردانی کر لینا، یہ ساری کی ساری باتیں ایسی کفریات ہیں جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہیں، اور ان کا جو مرتکب شخص ہے ایسے کفر اکبر کا مرتکب ہے جو دین اسلام سے خارج ہو چکا ہے۔ لیکن گناہوں و معاصی کا ارتکاب کرنا جن کا ان احادیث میں ذکر ہے تو وہ کفر دون کفر ہیں۔

الغرض، یہ جو حدیث ہے:

"مثلاً: (جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کہا: اے کافر! تو یہ تکفیر ان میں سے ایک پر لوٹ کر آتی ہے)"۔

تو یہ بھی کفر دون کفر ہے، الا یہ کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ یہ وہ مسلمان جس کو وہ یہ گالی دے رہا اور اسے: تو کافر ہے! کہہ رہا ہے، وہ اس لیے کہہ رہا ہو کہ اس کا دین یعنی اسلام ہی کفر ہے تو پھر یہ کفرِ حقیقی ہے۔ لیکن اگر صرف غصے کی وجہ سے اس طرح کہہ رہا ہو "اے کافر!" کیوں کہ اس نے اس کی مخالفت کی ہے یا اسباب میں سے کوئی سبب ہو جس کی وجہ سے غصے میں آ کر وہ اسے کافر کہہ رہا ہے تو اس شخص کو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ وہ کفر اکبر میں مبتلا ہو گیا ہے، بلکہ وہ کفر دون کفر میں مبتلا ہو گیا ہے۔ آپ کے لیے ممکن ہے کہ آپ اپنے بھائی سے جو انتقام لے

یہ ایمان لانا کہ بے شک جنت اور جہنم پیدا کر دی گئی ہیں اور اس شخص کا حکم جو ان کا انکار کرے

جنت اور جہنم اللہ تعالی کی دو مخلوق ہیں جو پیدا کر دی گئی ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے

رہے ہیں یا اس پر غصہ کر رہے ہیں کسی بھی اسلوب سے آپ کر سکتے ہیں ضروری نہیں کہ آپ کلمہ کفر ہی اس پر لگائیں اور کافر کہیں (اور اس وعید کے مستحق بنیں)۔

آگے امام احمد رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ:

"اس جیسی جو احادیث ہیں جو صحیح طور پر ثابت ہیں اور محفوظ ہیں تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ ہم اس کی تفسیر نہ بھی جانتے ہوں"۔

یہ ایک قسم کا تواضع ہے امام احمد رحمہ اللہ کی طرف سے، یا ہو سکتا ہے اپنے کلام سے ان کی مراد عوام ہو کہ وہ اس کی تفسیر نہیں جانتے بہر حال وہ اسے تسلیم کریں، لیکن جو فقہاء ہیں اور علم میں راسخ ہیں جیسا کہ خود امام احمد رحمہ اللہ ہیں تو وہ اہل السنۃ کے طریقے کے مطابق اس کی تفسیر جانتے ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو خوارج کے خلاف لڑتے آئے ہیں جو اس قسم کے نصوص سے استدلال کرتے اور چمٹے رہتے ہیں، اور ان کے برعکس مرجئہ کے خلاف بھی وہ لڑتے آئے ہیں جو وعدے کے جو نصوص ہیں چمٹے رہتے ہیں۔ آپ ان تمام فرقوں سے نبرد آزما رہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بلاشبہ آپ سنت میں امام تھے، اور ساتھ ہی ساتھ آپ ان احادیث کی تفسیر بھی جانتے تھے رحمۃ اللہ علیہ۔

روایت آئی ہے:

''دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَرَأَيْتُ قَصْرًا''[40]

(میں جنت میں داخل ہوا اور ایک محل دیکھا)۔

اور فرمایا:

''رَأَيْتُ الْكَوْثَرَ''[41]

---

[40] رواه أحمد في مسنده (3/179و191و263)، ورواه الضياء المقدسي في المختارة برقم (2069-2076) وصححه من حديث أنس بن مالك رضی اللہ عنہ۔

[41] اس سیاق کے ساتھ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند 5/462 بر قم (3186) روایت کی، اور اس کے الفاظ ہیں: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا اللہ تعالی کے اس فرمان ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ (الکوثر: 1) (بے شک ہم نے آپ کو الکوثر عطاء فرمائی) کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''رَأَيْتُ الْكَوْثَرَ نَهْرًا فِي الْجَنَّةِ، حَافَّتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ، فَقُلْتُ: مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكُمُ اللهُ''

(میں نے الکوثر کو دیکھا جو کہ جنت میں ایک نہر ہے، اس میں خولدار موتیوں کے ڈیرے لگے ہوئے ہیں یا کھوکھلے موتیوں سے تیار کردہ گنبد سے بنے ہوئے ہیں، میں نے کہا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہی وہ الکوثر ہے جو اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرمائی ہے)۔

(اور نہر کوثر دیکھی)۔

''اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا... كذا''

(میں جنت پر مطلع ہوا تو میں نے ان کی اکثریت کو۔۔۔ایسا ایسا پایا)۔

اور:

''اطَّلَعْتُ فِي النَّارِ، فَرَأَيْتُ... كذا وكذا''[42]

(میں جہنم پر مطلع ہوا اور۔۔ایسا ایسا دیکھا)۔

جو یہ گمان کرتا ہے کہ یہ دونوں (جنت و جہنم) ابھی تخلیق نہیں کی گئی ہیں، تو وہ قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ کو جھٹلانے والا ہے، میں اسے جنت و جہنم پر ایمان رکھنے والا شمار نہیں

ورواه أحمد (3/247،164) والترمذي برقم (3359) نحوه. وقال الترمذي: حسن صحيح. وأصله فى البخاري، كتاب الرقاق – باب فى الحوض، الحديث برقم (6581)]

[42] رواه البخاري، كتاب الرقاق – باب فضل الفقر، حديث رقم (6449) من رواية عمران بن حصين وإبن عباس رضي الله عنهم، ومسلم، كتاب الرقاق – باب أكثر أهل الجنة الفقراء، وأكثر أهل النار النساء، حديث رقم (2737) من حديث إبن عباس رضي الله عنهما.

کرتا[43]۔

---

[43] امام احمد رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ:

"جنت اور جہنم دو مخلوق پیدا کر دی گئی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مختلف احادیث آئی ہیں کہ: (میں جنت میں داخل ہوا اور میں نے ایک محل دیکھا)"۔

یہ حدیث ٹکڑا ہے اس حدیث کا جس میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شان بیان ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کا محل دیکھا جو سونے سے بنا ہوا تھا اور وہاں ایک عورت تھی جو وضوء کر رہی تھی تو آپ ﷺ نے پوچھا:

"لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ؟ قَالَ: لِرَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ. فقال: أَنَا عَرَبِيٌّ، لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ؟ قَالَ، لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ. قَالَ، أَنَا مِنْ قُرَيْشٍ، لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ؟ قَالَ لَهُ: هَذَا لِعُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ"

(یہ محل کس کا ہے؟ کہا: یہ عرب میں سے کسی شخص کا ہے۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: میں بھی عربی ہوں، بتاؤ یہ محل کس کا ہے؟ کہا کہ: قریش میں سے ایک شخص کا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی قریش میں سے ہوں، مجھے بتایئے کہ یہ محل کس کا ہے؟ کہا: یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا محل ہے۔

تو آپ ﷺ نے ارادہ کیا اس میں داخل ہونے کا مگر آپ ﷺ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت

یاد آئی، تو آپ ﷺ نے حیاء فرمائی اور وہاں سے مڑ گئے، اور یہ واقعہ آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب ذکر فرمایا:

''فَبَكَى وَقَالَ أَوْعَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُوْلِ اللهِ!''

(تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کیا میں آپ کے اوپر غیرت کروں گا اے اللہ تعالیٰ کے رسول!)۔

[اپنے مجموعی اعتبار سے یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے، بدء الخلق — باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة، حديث رقم (3242) من رواية أبي هريرة رضی اللہ عنہ، ومسلم، كتاب الفضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حديث رقم (2394،2395) من رواية جابر بن عبدالله وأبي هريرة رضی اللہ عنہم، ورواه الترمذي: كتاب المناقب، باب فی مناقب عمر رضی اللہ عنہ، حديث رقم (3689) من رواية بريدة بن الحصيب رضی اللہ عنہ]

اس میں جو شاہد ہے وہ یہ ہے کہ بلاشبہ جو جنت ہے وہ موجود ہے اور اس میں محل ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جسے اپنی آنکھوں سے دیکھا آپ ﷺ نے، اور وہاں پر حور بھی تھی جو وضوء کر رہی تھی۔

اسی طرح حدیث ہے کہ: ''میں نے کوثر دیکھی''۔ یہ حدیث صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے الکوثر کو دیکھا، اور اپنے حوض کو دیکھا جبکہ اپنے منبر پر کھڑے ہوئے تھے، اور فرمایا:

''وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ''
(بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ضرور اپنے حوض کو ابھی یہاں سے دیکھ رہا ہوں)۔

[رواه البخاري، كتاب الرقاق – باب فى الحوض، الحديث برقم (6589) ومسلم، كتاب الفضائل – باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، الحديث برقم (2296) كلاهما من رواية عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ]

اس تعلق سے بہت سارے دلائل وافر مقدار میں موجود ہیں کہ جنت موجود ہے اور یہ پیدا کر دی گئی ہے۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ (النجم:13-15)
(اور یقیناً دیکھا آپ نے انہیں دوسرے موقع پر بھی، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (جو وہ بیری پیڑ تھا)، اسی کے پاس جنت الماویٰ بھی ہے)

تو یہ ان دلائل میں سے ہیں جن کے ذریعے سے معتزلہ گمراہوں کا رد کیا جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم ابھی پیدا نہیں کی گئی ہیں، اور ان کا ابھی پایا جانا بے کار اور عبس ہے! اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے اور ان کی عقلوں کو جو اس قسم کی قبیح بات کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سورۃ آل عمران میں:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران: 133)

(اور دوڑو اپنے ربّ کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے مانند ہے جو تیار کر دی گئی ہے متقیوں کے لیے)

اللہ تعالیٰ نے اسے بنا دیا ہے، تیار کر دیا ہے اور یہ موجود ہے اور تیار ہے متقیوں کے لیے۔

اس بارے میں بہت سارے دلائل ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ كَذَا وَكَذَا۔۔۔''

(میں نے جہنم کو دیکھا تو اس میں یہ یہ چیزیں دیکھیں)

''وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَوَجَدْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ، وَاطَّلَعْتُ عَلَى الْجَنَّةِ فَوَجَدْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ''

(میں نے جہنم پر جھانکا یا مطلع ہوا یا دیکھا تو اس میں اکثر رہنے والیاں عورتیں تھیں، اور جنت پر بھی میں مطلع ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس کے اکثر رہنے والے فقراء لوگ ہیں)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (غافر:46)

(آگ ان پر پیش کی جاتی ہے صبح وشام، اور جب قیامت قائم ہو گی تو کہا جائے گا کہ آل فرعون کو اس سے بھی زیادہ شدید تر عذاب میں داخل کر دیا جائے)

تو جنت اور جہنم کی موجودگی کے دلائل بہت سے ہیں اور یہ کہ یہ دونوں موجود ہیں دونوں مخلوق ہیں پیدا کر دی گئی ہیں، ان میں سے بعض دلائل وہ ہیں جو یہاں امام رحمہ اللہ نے ذکر فرمائے اور ان ہی دلائل میں وہ آیات بھی ہیں جو ہم نے ابھی آپ کے سامنے ذکر کیں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس کا یہ گمان ہو کہ یہ ابھی پیدا نہیں کی گئیں تو وہ قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والا ہے، اور میں ایسے شخص کو جنت اور جہنم پر پر ایمان لانے والا شمار نہیں کرتا یا نہیں سمجھتا"۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے لوگوں میں کچھ گمراہ ہوں منحرف ہوں، تاویل کرنے والے ہوں تو ہم ان کی تکفیر نہیں کرتے، لیکن اس قسم کے لوگوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو زندیق ہیں جو عملاً اور واقعتاً ہی اس کا انکار کرتے، تکذیب کرتے اور جھٹلاتے ہیں۔ اس صورت میں وہ جھٹلانے والے زندیق (یعنی ملحد و بے دین) ہوں گے۔

اہل قبلہ میں سے جو بھی فوت ہو جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو

جو کوئی اہل قبلہ میں سے توحید پر وفات پائے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور اس کے لئے مغفرت کی دعاء کی جائے گی، اور اس سے استغفار چھپی ہوئی نہیں۔ اس کے گناہ کے سبب چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ ہم اس پر نماز جنازہ کو ترک نہیں کرتے، اور اس کا (آخری) معاملہ تو اللہ تعالی ہی کے حوالے ہے[44]۔

---

44 مسلمانوں میں سے جو گناہ گار ہیں اگر وہ فوت ہو جائیں تو ہم ان پر نماز جنازہ پڑھیں گے، خواہ کتنے ہی نافرمان ہوں یہاں تک کہ وہ بدعتی ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی ان کے اوپر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ لیکن جو امام ہے اسے چاہیے کہ اس گنہگار کے اوپر نماز نہ پڑھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنا چھوڑ دی تھی جس نے خیانت کی یعنی مال غنیمت میں خیانت کی ایسا شخص فوت ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور فرمایا:

"صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ"

(اپنے ساتھی کے اوپر تم لوگ خود جنازہ پڑھ لو)۔

[رواه مالك في المؤطأ: كتاب الجهاد – باب ما جاء في الغلول، حديث رقم (978) وأبوداود في كتاب الجهاد – باب في تعظيم الغلول حديث رقم (2710) والنسائي في كتاب الجنائز – باب الصلاة على من غل، حديث رقم (1959) وإبن ماجه

كتاب الجهاد – باب الغلول حديث رقم (2848) جميعاً من حديث زيد بن خالد الجهني رضی اللہ عنہ]

اسی طرح ایک اور شخص فوت جس کے اوپر قرض تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ''
(اپنے ساتھی کے اوپر تم لوگ خود جنازہ پڑھ لو)۔

تو سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''أَنَا أَتَحَمَّلُ دَيْنَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''
(میں اس کے قرض کی ذمہ داری لیتا ہوں، لہذا (اس ضمانت پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی)۔

[رواه البخاري، كتاب الحوالة – باب إن أحال دين الميت على رجل جاز، حديث رقم (2289)]

لیکن ہمیں منع کیا گیا ہے کہ ہم کفار کے اوپر نماز جنازہ پڑھیں۔ کسی کافر یا منافق کے اوپر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ (التوبہ:84)

(ان میں سے (یعنی منافقوں میں سے) کوئی فوت ہو جائے تو ان پر کبھی بھی آپ نماز (جنازہ) نہ پڑھیں، اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں)

چنانچہ کافر اور منافق پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، جبکہ جو گنہگار ہے یا بدعتی ہے جب تک وہ دائرہ اسلام کے اندر اندر ہیں ان کے پاس ایسی چیز نہیں جو ان کی تکفیر کا سبب ہوں اور جن کے ذریعے سے ان پر حجت قائم ہو ان کے کافر ہونے کی، تو ان کے اوپر نماز جنازہ پڑھی جائے گی ہم ان دونوں پر نماز پڑھیں گے، لیکن جو امام ہیں یا عالم ہیں (دیگر قد آور شخصیات ہیں) انہیں چاہیے کہ اس پر بطور عقاب نماز نہ پڑھیں کے تاکہ وہ لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہو کہ لوگ اس قسم کے گناہوں سے باز آجائیں اگر وہ گنہگار ہو، اور ایسی بدعات سے باز آجائیں اگر میت بدعتیوں میں سے ہو، لیکن ہم لوگوں کو اس سے منع نہیں کریں گے کہ وہ اس کے اوپر نماز جنازہ پڑھیں، بلکہ ہم ان کو کہیں گے: اس کے اوپر نماز جنازہ پڑھو۔

خاتمہ

الحمد للہ رب العالمین ہم نے اس رسالے کی جلدی میں مختصر سی شرح کی ختم کیا، اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمیں اس سے استفادہ ہوا ہو گا۔ ساتھ ہی میں اپنے آپ کو اور آپ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور اس کے لیے اخلاص اپنانے، طلب و تحصیل علم میں محنت کرنے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے تمسک اور منہج سلف صالحین کو مضبوطی سے پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔

اور میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ اس عظیم کتاب جو اپنے حجم میں بہت چھوٹی ہے لیکن اپنی قدر میں بہت بڑی کو حفظ کر لیں۔ اور میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اسے حفظ کریں ،اسے اچھے طریقے سے سمجھ کر، اس سے پیش قدمی کرتے ہوئے اور اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اس سے جو زیادہ بڑی اور وسیع کتابیں ہیں عقائد پر جسے ہمارے اسلاف رحمهم الله تَبَارَكَ وَتَعَالَى نے مدون کیا ہے تک پڑھتے چلے جائیں۔ کیوں کہ انہوں نے یہ تدوین اس لیے کی کہ وہ عقیدے کی قدر و منزلت کو اچھی طرح سے پہچانتے تھے اور ان عظیم اصولوں کو بھی اچھے طریقے سے جانتے تھے اور ان کی قدر پہچانتے تھے۔ اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس رسالے کے شروع میں ذکر فرمایا کہ یہ جتنے اصول ذکر ہوئے ہیں ان اصولوں میں سے کسی بھی اصول کی جو کوئی مخالفت کرنے والا ہے: **"وہ اہل السنۃ میں سے نہیں ہے"۔**

تو یہ بات ممکن ہے کہ آپ ان اصولوں کو ایک کسوٹی بنالیں ایک میزان بنالیں جو ایک صحیح سنی اور بدعتی میں فرق کر سکے اگرچہ کوئی شخص اپنے آپ کو سمجھتا رہے کہ میں اہل السنۃ میں سے ہوں اور اپنے آپ کو اہل السنۃ میں داخل کرنا چاہے تو یہ اصول موجود ہیں جو تفریق کرنے والے ہیں، جو واضح کرنے والے ہیں اور فرق کرنے والے ہیں اہل السنۃ والجماعۃ میں اور جو ان کے مخالفین ہیں۔ جیسا کہ آپ نے یہ بات اچھی طرح سے جان لی مثال کے طور پر کہ اہل السنۃ واجماعۃ کے اصولوں میں سے الولاء والبراء بھی ہے، اور انہیں کے اصولوں میں سے اہل بدعت سے بغض اور نفرت بھی ہے اور ان سے تحذیر و خبردار کرنا بھی ہے، آئمہ اسلام کی ایک بہت

بڑی تعداد نے اس اصول کو بیان کیا ہے اور اسے اصول اہل سنت میں سے مقرر کیا اور شمار کیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو اپنے دین اور ہدایت پر اور اپنے نبی ﷺ کی سنت پر ثابت قدمی عطاء فرمائے، اور ان اصولوں کا التزام اور پابندی کرنے کی توفیق دے جو ان امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے اپنے اس رسالے میں بیان فرمائے ہیں، جو کہ اپنے حجم میں چھوٹا ہے لیکن اپنی قدر منزلت میں بہت عظیم اور بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس چیز کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے، اور ہمیں سنت اور ہدایت پر ثابت قدمی عطاء فرمائے، بے شک ہمارا ربّ دعاؤں کا سننے والا ہے، اور میں آپ کے دین وامانت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

سوال وجواب

ان سلفیوں کو نصیحت جو اہل اہواء کے ساتھ بیٹھتے ہیں

س 1: ہمارے بعض سلفی بھائی ہیں جو اہل اہواء کے ساتھ بیٹھتے ہیں؟

جواب: میں ابھی آپ کے سامنے بعض مثالیں پیش کرتا ہوں کہ اسی طرح کا واقعہ امام ابن عقیل کے ساتھ پیش آیا، امام البیہقی کے ساتھ، اور امام الہروی رحمہ اللہ کے ساتھ بھی پیش آیا، اور ان کے علاوہ آپ تاریخ اسلامی اٹھا کر دیکھیں تو بہت ساروں کے ساتھ اس قسم کا واقعہ ہوا ہے

کہ ان میں سے بہت سے اپنے نفس کے دھوکے میں آ گئے اور اہل اہواء کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا انہوں نے شروع کیا تو آخر کار اپنے آپ کو ضائع کر دیا۔ لہذا اس اصول میں عبرت ہے اور وعظ و نصیحت کے پہلو ہیں بہت زیادہ کہ اس قسم کے لوگ ہیں جو سلفیوں کی پیروی کرتے تھے اور ان کے ساتھ تھے لیکن انہوں نے مجالست واٹھنا بیٹھنا اور اختلاط یعنی میل ملاپ شروع کیا اور کتابیں پڑھیں اہل باطل کی تو پھر وہ خود حیران و پریشان ہوئے اور سب کچھ ضائع ہو گیا۔

تو میں نصیحت کرتا ہوں اس قسم کے لوگوں کو کہ وہ اپنے بھائیوں سے استفادہ اختیار کریں اور اس سے بھی پہلے وہ استفادہ کریں اس عظیم منہج سے جو آپ کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ جس میں آپ کی ہی سلامتی ہے اور آپ کے ہی نفس کی اس میں نجات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسم! سلامتی کے برابر کوئی بھی چیز نہیں۔

کیا فروعی اختلافات کی طرح عقائد میں بھی اختلاف کی گنجائش ہے؟

سوال 2: یہ بات معلوم ہے کہ جو فروعی مسائل ہیں ان میں اختلاف کی گنجائش ہے اپنی شرائط کے ساتھ لیکن جو عقیدے کے مسائل ہیں ان میں اختلاف کے لیے کون سا ضابطہ ہے جس سے اس میں بھی اختلاف کی گنجائش نکلتی ہے؟

جواب: واللہ! میں یہ رائے نہیں رکھتا یا میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ عقیدے میں اختلاف کی گنجائش ہے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں وہ جن چیزوں سے چمٹے ہوتے ہیں یعنی جسے دلیل بنا رہے ہوتے ہیں جسے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب کرتے ہیں کہ ان کا بھی

آپس میں عقیدے میں اختلاف تھا تو یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ اس میں سے کسی چیز میں بھی ان کا اختلاف نہیں تھا اور یہ بات ہم نے اپنے اسی رسالے کی شرح میں بھی ذکر کی ہے۔(دیکھیں رویئت باری تعالی کے متعلق باب)

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی مخالفت کی جاسکتی ہے؟

سوال 3: اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی بھی مسئلے پر اجماع ہو جاتا ہے تو کیا ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد آئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی نئے قول کے قائل ہو جائیں، یا اس بارے میں کوئی نیا قول ایجاد کریں؟

جواب: ایسے لوگ تو شدید وعید اور بہت بڑے خطرے میں اپنے آپ کو مبتلا کرتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: 115)

(جو مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ ہدایت اس کے سامنے واضح ہو گئی اور مؤمنین کی راہ کے علاوہ کوئی اور راہ چلنا چاہے تو ہم اسے وہیں پھیر دیں گے جہاں وہ چلتا ہے اور اسے پہنچا دیں گے جہنم اور وہ بہت بُری پہنچنے کی جگہ ہے)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کسی مسئلے پر اجماع ہو اور آپ اٹھا کر کوئی دوسری رائے لے کر آجائیں؟! یہ

تو اس اجماع کو توڑنے والی بات ہے اور کتاب و سنت کے مخالف بات ہے، اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین کی مخالفت ہے اور سبیل المؤمین (مؤمنین کی راہ) کی بھی مخالفت ہے، اور اس کے علاوہ دوسری راہ اپنانا ہے، لہذا یہ جائز نہیں۔

ایسی جگہ جاب کرنا جہاں بدعقیدہ و منہج لوگ ساتھی ہوں

سوال 4: میں ایک شخص ہوں جو ایسی جگہ پر جاب کرتا ہوں کہ جو میرے بعض ساتھی ہیں بلکہ سارے کے سارے جو ساتھی ہیں وہ مختلف منحرف مناہج کے اوپر چلتے ہیں، تو آپ کی میرے لیے کیا نصیحت ہے ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بچنے کے تعلق سے؟

جواب: آپ اپنے لیے کوئی دوسرا کام ڈھونڈ لیں۔ اگر آپ ان میں سے پاتے ہیں کسی کو کہ وہ آپ کی دعوت قبول کرتے ہیں تو الحمدللہ، اور اگر ایسا نہیں پاتے تو پھر کوئی دوسرا کام ڈھونڈ لیں۔

تقدیر سے متعلق حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشریح

سوال 5: میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس حدیث کی کچھ تشریح ہمارے سامنے پیش کریں جو کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً۔۔۔"

(تم میں سے ہر ایک تخلیق اپنی ماں کے بطن میں چالیس دن تک نطفے کی صورت میں رہتی

ہے۔۔۔)

[یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے]؟

جواب: جب کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے اور اس کا پانی عورت کے رحم میں پہنچتا ہے، تو یہ وہ پانی ہے جو کہ نطفہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چالیس دن کی مقدار مقرر کی ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اسے ایک دوسرے مرحلے میں لے جاتا ہے جو کہ علقہ ہے، پھر اس کے بعد ایک دوسرے مرحلے میں چالیس دن تک رکھتا ہے جو کہ المضغة کہلاتا ہے، اور یہ مضغة گوشت کا لوتھڑا ہے جبکہ العلقة جما ہوا خون ہوتا ہے۔ تو یہ مختلف مراحل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾ (نوح:14)

(اللہ تعالیٰ نے یقیناً تمہیں پیدا کیا مختلف مراحل میں)

یعنی نطفے سے علقة، علقة سے مضغة اس سے جنین جو بچہ بنتا ہے، اس کے بعد ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا جاتا ہے پھر دوسری خلقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ مختلف مراحل میں پہنچا کر بناتا رہتا ہے، سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى۔

بہر حال، اس بارے میں جو قدریہ (تقدیر کے منکر) ہیں ان کے ہاں اشکال پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہتے ہیں یعنی اس حدیث کا آگے کا جو حصہ ہے جس میں فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے اور اس میں یہ

بات بھی ہے کہ اس کا نیک بخت ہونا یا بد بخت ہونا وہ بھی لکھ دے اپنی ماں کے پیٹ میں ہی، (تو وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں اسے نہیں مانتے) تو یہ ان کی گمراہی میں سے ہے، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز کو جان لیا ہے ہر چیز کا علم اس کے پاس ہے ازل سے، پھر اس کو لکھ بھی دیا ہے لوح محفوظ میں، اور یہ جو لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے وہ بالکل مطابق ہے اللہ تعالیٰ کے علم کے جو ازل سے اس کے پاس ہے اور لوح محفوظ میں اس کو لکھ دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنی اہواء سے اور اپنی عقل کے دھوکے بازیوں میں مبتلا ہوتے ہیں ورنہ تو یہ جو مسئلہ ہے سلف کے ہاں بالکل مسلمہ مسائل میں سے اور بدیہیات میں سے چلتا آیا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ جو سوال پوچھنے والا شخص ہے وہ اس قسم کے لوگوں کے افکار سے متاثر نہ ہو، (اس لیے اس بارے میں تنبیہ کرنا ضروری تھا)۔

اہل بدعت کے کلام کو نہیں سننے کے تعلق سے سلف کے منہج کو آج کس طرح عمل میں لایا جائے؟

سوال 6: السلام علیکم و رحمة اللہ۔۔۔ یہ بات امام ابن سیرین اور امام ایوب السختیانی رحمہما اللہ سے ماثور ہے کہ وہ اہل بدعت سے دور رہتے یہاں تک کہ قرآن کریم کی تلاوت تک ان سے نہیں سنتے، تو ہم ان آثار کو کس طریقے سے عمل میں لائیں گے اہل بدعت اور حزبی لوگوں کی کیسٹوں یعنی ان کے دروس وغیرہ کے تعلق سے کہ کیا ہم ان کی کیسٹیں اور ان کے دروس وغیرہ نہ سنیں؟

جواب: یہ تحذیر جو آپ نے ذکر کی صرف امام ابن سیرین اور امام ایوب السختیانی رحمہما اللہ سے ہی ثابت نہیں ہے بلکہ یہ تو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے، صحابہ وتابعین اور آئمہ اسلام کی طرف سے یہ باتیں ثابت ہیں۔ چنانچہ جو شخص کمزور ہے ضعیف ہے اسے یہ لائق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو فتنوں کی نظر کرے، چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اہل بدعت سے دور ہی رہے اور کنارہ کشی اختیار کرے۔

کیا واقعی اہل السنۃ والجماعۃ نے کبھی عقیدے میں اختلاف نہیں کیا؟

سوال 7: کیا یہ بات کہی جائے گی کہ جو اہل السنۃ والجماعۃ ہے انہوں نے کبھی بھی اصولِ عقیدہ میں اختلاف نہیں کیا؟

جواب: ہم یہ کہیں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی اختلاف نہیں کیا لیکن جو اہل السنۃ والجماعۃ ہیں ان کے جو افاضل ہیں ان میں سے بعض سے بعض چیزوں میں معمولی اختلاف واقع ہوا جو کہ ان کے منہج کو متاثر کرنے والا نہیں تھا جیسا کہ مثال کے طور پر اسلام اور ایمان کی تعریف، کیا یہ ایک ہی ہیں یا یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں؟ تو ان دونوں کے قائلین کے پاس اپنے اپنے مستند دلائل ہیں۔ یعنی دونوں الگ چیزیں ہیں یا ایک ہی چیز ہے اور اس تعلق سے جو صحیح اور صواب بات ہے وہ یہ ہے کہ بے شک اسلام اور ایمان دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اسلام وہ ہے جیسا کہ حدیث جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا اس سے مراد ظاہری اعمال ہیں اور جو ایمان ہے اس سے مراد باطنی اعمال ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ:

''اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَى ذَلِكَ سَبِيلًا''

(اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر تم اس کی جانب استطاعت رکھتے ہو)۔

اور ایمان کی تعریف میں فرمایا:

''الْإِيمَانُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ''

(ایمان اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن کے ساتھ ایمان اور تقدیر پر خواہ اچھی ہو یا بُری اس پر ایمان لانا)۔

[یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے]

تو ان کے تعلق سے یہ اصول ہے:

''إن اجتمعا افترقا و إذا افترقا اجتمعا''

(اگر یہ دونوں ایک ساتھ بیان ہوں ایک ہی جگہ پر اسلام اور ایمان کا ذکر ہو تو پھر ان دونوں میں ہم تفریق کرتے ہیں (کہ اس سے مراد یہ ہے اور اس سے مراد وہ ہے) لیکن اگر الگ الگ ذکر ہوں تو پھر یہ دونوں ساتھ ہوتے ہیں (یعنی صرف اسلام کا ذکر ہو تو ایمان بھی اس میں

شامل ہے، صرف ایمان کا ذکر ہو تو اسلام بھی اس میں شامل ہے))۔

تو اس قسم کے جو اختلافات ہیں موجود تھے جو کہ کوئی ضرر رساں اور نقصان دہ نہیں ہے ان شاء اللہ۔

کیا فتنے کے وقت کسی کا مجمل کلام قابل قبول نہیں ؟اور کیا یوں توقف کرنے والا بدعتی کہلائے گا؟

سوال 8: کیا امام احمد رحمہ اللہ کے کلام سے جو آپ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کے تعلق سے توقف اختیار کرتا ہے یعنی نہ مخلوق کہتا ہے اور نہ کلام کہتا ہے کہ (مجھے نہیں معلوم) اس طریقے سے توقف اختیار کرتا ہے، تو آپ نے اس کے بھی غلط ہونے اور اس کے بدعتی ہونے کا حکم لگایا ہے، کیا اس سے ہم یہ چیز اخذ کر سکتے ہیں کہ فتنے کے دور میں یا فتنے کے وقت کسی بھی شخص کا مجمل قسم کا کلام قبول نہیں کیا جائے گا جب تک وہ اپنے قول کو بالکل ممیز کر کے اور بالکل واضح کر کے بیان نہ کرے؟

جواب: واللہ! یہ کلام مجمل میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو واضح کلام میں سے ہے بدعت کے تعلق سے، کہ جو توقف اختیار کرتا ہے تو یہ کلام اس کا بالکل واضح ہوا یا پھر شک ہے اس میں؟ واضح ہے بالکل۔

سائل: لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس قسم کے لوگوں کو بدعتی قرار دیا جائے گا؟

جواب: زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ بالکل اس قسم کے لوگوں کو بھی بدعتی قرار دیا جائے گا، اگر وہ توقف اختیار کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ: قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے؟ بس توقف اختیار کرتا ہے۔ کیا ہم اس کی تبدیع کریں گے یا نہیں کریں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہم اسے بدعتی قرار دیں گے۔ اگر وہ توقف اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: میں نہیں جانتا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے تو وہ بلاشبہ بدعتی ہے۔ لیکن ہاں جو شخص جاہل ہے اس کی ہم تبدیع نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اس کو تعلیم دیں اس کو یہ بات بتائیں پھر وہ حق بات ماننے سے انکار کر دے س۔

آج کل اس قسم کے ڈھیلے موازین و ترازو قائم کر لیے ہیں ان لوگوں نے اور انہیں موم بنا دیا ہے۔ کوئی شخص جس کے پاس بیسیوں بدعات ہیں وہ بھی بدعات کبریٰ (بڑی بڑی بدعات) ہیں لیکن اس کے بارے میں کہتے ہیں: یہ امام ہے مجدد ہے! اسلام کے خلاف اس قسم کے لوگوں سے بڑھ کر کوئی خطرناک نہیں کہ جو اسلام کو یوں ڈھال لیتے ہیں نرم کر لیتے ہیں اور سلفیت کو بھی یوں موم بنا دیتے ہیں (یعنی جس طریقے سے چاہے اسے ڈھال کر کمزور کرتے ہیں)۔ اور اس کے بالکل برعکس اگر اہل السنۃ میں سے کسی سے ذرا سی بھی کوئی لغزش ہو جائے یا خطاء ہو جائے تو بالکل بھی اس پر رحم نہیں کرتے یہ لوگ، لیکن جو ان کے اہل بدعت ہیں وہ بڑی بڑی بدعات (بدعت کبریٰ) میں مبتلا ہوتے ہیں اور ایسی عظیم ہلاک کر دینے والی گمراہیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ ان کے لیے کچھ نقصان دہ نہیں۔ یہ بہت بڑی بلا اور آزمائش ہے کہ جو اس امت کے نوجوانوں پر نازل ہوئی ہے اس زمانے میں، اور یہ تلبیس ہے

حق اور باطل کو خلط ملط کر کے پیش کرنا ہے اور سازش ہے اور اس قسم کے جو حیلے یہ لوگ اختیار کرتے ہیں انہیں صرف اور صرف اسی لیے انہوں نے بنا رکھا ہے اور لوگوں میں اسے سرایت کرتے ہیں تاکہ اپنی پسند کے اہل بدعت اور ان کی کتابوں کی حمایت، حفاظت اور ان کا دفاع کر سکیں، جیسا کہ منہج الموازنات ہے (جس کے ذکر پہلے گزر چکا ہے)، یہ بہت ہی خطرناک منہج ہے جس کے ذریعے اسلام کو اس کے اصول و فروع سمیت تباہ و برباد کیا جارہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ تو پرلے درجے کا ارجاء ہے (الٹا جس ارجاء کی جھوٹی تہمت یہ سلفیوں پر لگاتے ہیں) تو اس قسم کے قواعد اور اصول وضع کیے جاتے ہیں تاکہ بدعت اور اہل بدعت کی حمایت اور ان کا دفاع کیا جائے، اور اس کے بالکل برعکس باقاعدہ مہم چلائی جاتی ہے اور باطل پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اہل السنۃ کے خلاف۔

مسئلہِ تقدیر کے تعلق سے کچھ اہم کتب

سوال 9: وہ کون سی کتابیں ہیں جن کی آپ نصیحت کرتے ہیں ایک طالب علم کو کہ وہ انہیں پڑھے اور اپنے پاس رکھے قضاء و قدر یعنی تقدیر کے مسئلے پر؟

جواب: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتب آپ رکھیں جن میں سے ایک انہی کی کتاب القدر ہے۔ اسی طرح شفاء العلیل ہے امام ابن القیم رحمہ اللہ کی، اور کتاب القدر ہے امام ابو داود رحمہ اللہ کی، اور الطحاویہ ہے اور الواسطیہ ہے اور آخر تک جو کتب ہیں۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری ہے اس کے اندر کتاب القدر ہے، صحیح مسلم میں بھی کتاب القدر موجود ہے، اور جو

سلف کا کلام ہم نے ذکر کیا اس کی جانب رجوع کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام ذاتی ہے یا قولی؟

سوال 10: جو اللہ تعالیٰ کے کلام کی صفت ہے وہ صرف ذاتی صفت ہے یا ذاتی اور قولی دونوں صفات ہیں؟

جواب: ذاتی اور قولی دونوں صفات ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ جب چاہتا ہے کلام فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے کلام فرماتا ہے یہ ذاتی اور قولی دونوں صفات ہیں۔

یہ سوال کہ کیا اللہ کا کلام صرف صفت ذاتی ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ: ہاں یہ صرف صفتِ ذاتی ہے؟ یہ جان لیں کہ اشاعرہ کا قول ہے۔ ان کے نزدیک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام کی یہ تشریح ہے کہ: ایسا معنی جو خود قائم ہے ذات کے ساتھ جس میں نہ حروف ہیں نہ ہی آواز ہے۔ چناچہ وہ کہتے ہیں: کلام صفت ذاتی ہے، مگر یہ کہ اللہ تعالی باقاعدہ کلام فرماتا ہے؟ تو ایسا نہیں!

جبکہ اہل السنۃ کہتے ہیں کہ: جو کلام اللہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کلام کرنے پر اور وہ کلام فرماتا ہے جس سے چاہتا ہے جب چاہتا ہے، کس درجے اور کس حد تک کلام؟ اس درجے کا کہ فرمایا:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ

جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا﴾ (الکھف:109)

(آپ کہیے کہ اگر بحر (سمندر) وہ سارے کے سارے سیاہی بن جائیں میرے ربّ کے کلمات لکھنے کے لیے، تو وہ سمندر ختم ہو جائیں گے قبل اس کے کہ میرے ربّ کے کلمات ختم ہوں، اگرچہ ہم اس جیسے اور بھی سمندر سیاہی بنا کر لے آئیں)

تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول تقدیر کے تعلق سے جو اس رسالے میں پڑھا آپ نے کہ:

''اس بارے میں ہم کسی سے جھگڑیں نہیں نہ مناظرہ کریں، اور نہ ہی یہ جدال سیکھیں اور اس کی تعلیم حاصل کریں''۔

یہ چھوٹے طلاب العلم کے لیے ہے کہ وہ چھوٹے طلاب ہوتے ہیں اور جا کر مناظرہ شروع کر دیتے ہیں تقدیر کے تعلق سے روافض کے ساتھ، جہمیہ کے ساتھ، معتزلہ کے ساتھ تقدیر کے معاملے میں مناظرہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں یا اس قسم کے مسائل پر، تو آپ کو چاہیے کہ اپنے آپ کو شبہات کی نظر نہ کریں کہ اپنے آپ کو ضائع کر دیں، البتہ جو عالم متمکن اور راسخ و قوی ہو، جو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس مناظرے سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے، یا تو اہل السنۃ کو نصرت اور جیت ملے گی اور اہل باطل کی شکست ہو گی اور ان کا قلع قمع ہو گا، یا پھر اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا اس مناظرے کے ذریعے اس مناظر کو جو ان کے ساتھ مناظرہ کر رہا ہے اگر وہ واقعی ہدایت کا طالب ہو تو اس کے سامنے اس کی وضاحت کی جائے گی۔

لیکن حال یہ ہو کہ آپ بے چارے چھوٹے سے کمزور طالب علم ہیں تو آپ مجادلہ نہ کریں۔ تو میں اس بات کی دوبارہ تاکید کرتا ہوں کہ جو طلاب العلم ہیں انہیں چاہیے کہ اس قسم کی جو بڑی بڑی بدعات ہیں ان کے تعلق سے مناظرے نہ کریں، البتہ وہ بات کہیں جو آپ کے حسب طاقت ہو اس کی حدود کے اندر ہو جنہیں آپ نے پڑھ کر اچھی طرح ہضم کیا ہے یعنی جو عام امور ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، وہ بھی اس صورت میں کہ اس سے آپ کی غرض وغایت اور نیت لڑائی جھگڑا، جدال اور صرف غالب آنا نہ ہو بلکہ آپ کا اصل مقصد وضاحت ہو، بیان اور توضیح ہو۔

موجودہ دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کلام کرنے والوں کا بعض سلف سے استدلال کرنا

سوال 11: موجود دور میں یا اس عصر حاضر میں بھی اگر کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بات کرتا ہے تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ اس کا جو یہ بات کرنا ہے ان کے بارے میں، وہ ویسا ہی ہے جیسے بعض سلف نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پر کلام کیا ہے، تو ہم اس شبہ کا رد کس طرح کریں؟

جواب: سلف (گزرے ہوئے لوگوں) میں سے جنہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کلام کیا ہے وہ تو خوارج اور روافض ہیں، جب کہ جو اہل السنۃ ہیں (یعنی سلف صالحین) انہوں نے کبھی بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف کلام نہیں کیا۔ تو اس قسم کے لوگوں کے جو سلف ہیں وہ خوارج اور روافض قسم کے لوگ ہیں۔

ہاں جو اہل السنۃ ہیں اور جو سلف صالحین ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قسم! انہوں نے تو ہمیشہ صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزتوں کا دفاع ہی کیا ہے۔ جیسا کہ امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

”قوم حفظ الله سيوفنا من دمائهم، فلنحفظ ألسنتنا من أعراضهم“

(صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسی قوم تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو بچالیا ان کے خون سے خون آلود ہونے سے، تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی محفوظ رکھیں ان کی عزتوں پر حملہ کرنے سے)۔

[انظر "العلل" لأحمد (221/1، برقم 526 – المروذي)، والسنة للخلال (462/1، 461 برقم 717) وجامع بيان العلم لإبن عبدالبر (189/2 برقم 909) والحلية لأبي نعيم (114/9) وتاريخ دمشق لإبن عساكر (133/65)]

نماز کے تارک کی تکفیر کے متعلق راجح قول کیا ہے؟

سوال 12: تارک الصلاۃ (جو نماز چھوڑتا ہے جان بوجھ کر) اس کے بارے میں راجح قول کیا ہے؟ اور اس قول کی صحت کہاں تک ہے جو یہ کہتا ہے کہ: جو تارک الصلاۃ کی تکفیر نہیں کرتا تو چاہے اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو وہ ارجاء میں مبتلا ہے، کیا اس قسم کے قول کے کوئی سلف موجود ہے یا نہیں؟

جواب: ہم ان لوگوں پر اعتراض نہیں کرتے جو نماز کے تارک کی تکفیر کرتے ہیں، اور نہ ان پر اتہام لگاتے ہیں، بلکہ ان کا احترام کرتے ہیں اور ان کی جلالت قدر کو مانتے ہیں، ان کے اپنے

دلائل ہیں ہم ان دلائل کی بھی قدر کرتے ہیں، بارک اللہ فیک۔اسی طریقے سے دوسری طرف جو اس کو کافر قرار نہیں دیتے ان کی فقہ و فہم، منزلت اور مکانت کا بھی ہم قدر واحترام کرتے ہیں، اور ان کے بھی اپنے متعلقات ہیں قرآن وسنت میں سے یعنی ایسے دلائل جن سے وہ جڑے ہیں، جن میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے کہ:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:48)

(بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو ہرگز نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ جو بھی گناہ ہے جس کے لیے چاہتا ہے معاف فرمادیتا ہے)

ان ہی میں سے دیگر احادیث بھی ہیں، ان کے جو دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ یہاں اس سے مراد کفر دون کفر (یعنی کفر اصغر جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا) ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان:

”لَا تَرْجِعُوا بَعْدِی كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ“

(میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو (یعنی ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو))۔

[یہ حدیث گزر چکی ہے]

یا جیسا کہ بعض کبیرہ گناہ کے مرتکبین پر کفر کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

''لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَبْصَارَهُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ''

(چوری کرنے والا جب چوری کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، اور زنا کرنے والا جب زنا کر رہا ہوتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، اور جو لٹیرا لوگوں کو لوٹ رہا ہوتا ہے اور لوگ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا)۔

[یہ حدیث گزر چکی ہے]

اور فرمایا:

''وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهُ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، قَالُوا، مَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قال: الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ''

(نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ ایسا شخص مومن نہیں ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ: کون اے اللہ کے رسول؟ تو فرمایا کہ: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو)۔

[رواه البخاري، كتاب الأدب – باب إثم من لايأمن جاره بوائقه، حديث رقم (6016)]

مراد یہ ہے کہ جنہوں نے ان احادیث کی تاویل کی ہے کہ جس طرح ہمارے وہ بھائی جو نماز کے تارک کی تکفیر کے قائل ہیں انہوں نے بھی ان احادیث کو جو ہم نے ابھی ذکر کیں ان کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ وہ کفر ہے جو دین سے خارج نہیں کرتا، اور وہ ایسوں کی تکفیر نہیں کرتے جو گناہ ابھی آپ کو ہم نے گنوائے ہیں، تو اسی طریقے سے جو تارک الصلاۃ ہے اس کے متعلق جو کفر والی احادیث آئی ہیں اور الفاظ آئے ہیں ان کی اسی طریقے سے وہ تاویل کرتے ہیں۔ تو یہ نکتہ نظر ہے ان لوگوں کا ہے جو تارک الصلاۃ کی تکفیر نہیں کرتے جن میں سے امام الشافعی بھی ہیں، امام مالک بھی ہیں، امام ابو حنیفہ بھی ہیں اور ایک روایت کے مطابق خود امام احمد رحمہم اللہ بھی ہیں، اور ان ہی میں سے بہت بڑی تعداد ان آئمہ کے متبعین ان کے پیروکاروں کی بھی ہے اور ان کے سلف یعنی ان سے پہلے بھی بہت سے گزرے ہیں کہ جو نماز چھوڑنے والے کی تکفیر کے قائل نہیں تھے ان ہی دلائل کی بنیاد پر جو ان کے نزدیک زیادہ راجح ہیں دوسرے موقف کے مقابلے میں یعنی جو تارک الصلاۃ ہے اس کی تکفیر نہ کی جائے، تو یہ لوگ بھی آئمہ اسلام اور آئمہ اہل السنۃ میں سے ہیں۔

تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ: جو تارک الصلاۃ کی تکفیر کا قائل نہیں وہ ارجاء میں مبتلا ہو گیا ہے چاہے یا نہ چاہے، یہ بات بالکل غلط ہے، اس میں ایک قسم کی مبالغہ آرائی ہے اور انحراف ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج سے۔

جب ہم یہ موجودہ دور کے لوگوں کے تعلق سے کہتے ہیں تو جو ان سے پہلے کے لوگ ہیں وہ بالاولیٰ اس میں داخل ہیں کیوں کہ انہوں نے ہی اس سنت کو یا اس مؤقف کو اپنایا ہے اور جاری

کیا ہے جیسا کہ امام مالک، امام الشافعی، امام احمد رحمہم اللہ بھی ایک قول کے مطابق، بلکہ امام ابن بطہ اور امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہما اس بات کا انکار کرتے تھے کہ امام احمد رحمہ اللہ نماز کے چھوڑنے والے کے کفر کے قائل تھے، ایسا نہیں ہے وہ اس کا انکار کرتے تھے اور بہت سارے شافعیہ بھی سوائے شاذ و نادر چند لوگوں کے اسی طرح مالکیہ بھی اس کی عدم تکفیر کے قائل ہیں، احناف میں سے بھی جو بڑے بڑے علماء گزرے ہیں، حنابلہ میں بھی بڑے بڑے جلیل القدر علماء گزرے ہیں تو وہ بھی نماز چھوڑنے والے کی تکفیر کے قائلین میں سے نہیں تھے۔ کیا ہم ان تمام جلیل القدر آئمہ اہل السنۃ کو مرجئہ قرار دیں گے یا وہ ارجاء میں واقع ہو گئے تھے؟ یہ تو سراسر جہالت ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولوں سے، اور یہ بہت بڑی جرأت ہے جسے بعض لوگ بہت معمولی سمجھ کر یہ جرأت کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے ہی عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

کیا حکمران کے خلاف خروج صرف تلوار تک محدود ہے یا اس میں کلام بھی شامل ہے؟

سوال 13: کیا حکمرانوں کے خلاف جو خروج ہے وہ صرف تلوار سے ہوتا ہے یا اس میں حکام کے خلاف کلام بھی شامل ہے؟

جواب: یہ سب کا سب خروج ہے جس کے ذریعے سے بھی لوگوں کو ابھارا جائے چاہے وہ کلام کے ذریعے ہو تو یہ بھی الخوارج القُعّد (بیٹھے ہوئے جو خوارج) میں سے ہے۔ جو الاباضیہ خارجی ہیں وہ بھی خوارج قعدیہ میں سے ہیں۔ وہ جہاد پر اکساتے ہیں، (حکمرانوں کے خلاف خروج پر اکساتے ہیں لوگوں کو) لیکن خود نہیں نکلتے۔ تو یہ الخوارج القُعّد ہیں، انہیں الخوارج

القُعّد یا خوارج القعدیة کہا جاتا ہے۔ جو تلوار کے ساتھ خروج کرے اس کا معاملہ تو بالکل واضح ہے کہ وہ خارجی ہے کہ تلوار کے ذریعے اس نے خروج کیا ہے، البتہ یہ سارے کے سارے خوارج ہیں چاہے اُن میں سے ہوں یا اِن میں سے ہوں۔

ضعیف روایات سے استدلال کرنے والے بدعتیوں پر رد کیوں، جبکہ بعض علماء بھی ضعیف روایات سے استدلال کرتے ہیں؟

سوال 14: آپ ہر اس شخص پر جو بدعتی ہو اور جو منہج سلف کا مخالف ہو پر رد کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے مسئلے کو ثابت کرنے کے لیے استدلال کرتے ہیں کسی ضعیف روایت کے ساتھ، لیکن آپ اس پر رد کرتے ہیں، تو پھر آپ کا اس کے بارے میں کیا جواب ہے کہ امام البربہاری رحمہ اللہ نے بھی بعض مسائل کو باقاعدہ اصول بنا کر ثابت کیا ہے اور انہوں نے استدلال کے طور پر بیان کیا بعض موضوع یعنی من گھڑت ضعیف حدیثوں کو، تو آپ کیسے اس بات کا رد کریں گے کہ جو ضعیف حدیث سے استدلال کرتا ہے اس کے آپ پیچھے پڑ جاتے ہیں اور یہی کام کرنے پر آئمہ سلف کو آپ چھوڑ دیتے ہیں؟

جواب: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ امام البربہاری رحمہ اللہ نے کبھی موضوع یعنی من گھڑت احادیث سے استدلال کیا ہو احتجاج کیا ہو۔ آپ اپنے اس دعوے کو ثابت کریں اور جس کا آپ مجھ پر رد کر رہے ہیں، اس کو ثابت کریں؟

میں تو تمام کے تمام سلف صالحین کا احترام کرتا ہوں اور ان میں سے کسی کی بھی شان میں بھی

تنقیص نہیں کرتا الحمدللہ۔ ہم تو صرف ان ہی رد کرتے ہیں جو اہل بدعت میں سے ہیں لیکن جو سلف صالحین ہیں جن کے بارے میں ان کا اخلاص اور صدق (سچائی) دین کے تعلق سے جانی جاتی ہے، اگرچہ ان سے کوئی غلطی ہو جائے تب بھی ہم ان کو ان کی ان کی خطاء اور غلطی ہونے کے باوجود ماجور تصور کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

”مَنْ إِجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَمِنْ أَجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ“

(جس نے اجتہاد کیا اور صحیح بات کو پالیا تو اس کے لیے دہرا اجر ہے، اور جس نے اجتہاد کیا اور غلطی کر گیا اس کے لیے بھی ایک اجر ہے)۔

[رواه البخاري، كتاب الأعتصام بالكتاب والسنة – باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطاء، حديث رقم (7352) ومسلم، كتاب الأقضية – باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطاء، حديث رقم(1716)من حديث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ]

تو اگر کسی انسان کے بارے میں یہ جانا جاتا ہو اس کا تقویٰ، اس کی نیک نیتی اور درست ہونا، اور حق کی تلاش و جستجو میں اس کا صدق و سچائی، پھر اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو ایسا شخص ماجور ہے۔

لیکن جو اہل بدعت ہیں تو ہر گز بھی نہیں۔ وہ تو صرف اور صرف اپنی خواہشات اور اہواء کی

پیروی کرتے ہیں، اسی لیے آپ نہیں دیکھیں گے کہ جو صاحب اہواء ہے وہ رجوع کرتا ہو ، جبکہ دوسری طرف جو آئمہ سلف ہیں (جن کو آپ بطور مثال پیش کر رہے ہیں، کوئی موازنہ نہیں) وہ تو کسی کے بغیر بتائے بھی خود بخود رجوع کر لیتے ہیں (جب ان کو کوئی مسئلہ معلوم ہوتا ہے)۔ اگر ان سے کہا جاتا: ''آپ نے غلطی کی'' تو وہ رجوع کر لیتے تھے۔ امام الشافعی رحمہ اللہ کو دیکھیں (کوئی بتائے نہ بتائے وہ) خود ہی رجوع کر لیتے تھے (جب ان کو دلیل ملتی)۔ اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کو دیکھیں ایک قول سے دوسرے قول کی طرف منتقل ہوتے رہتے، حق کی تلاش میں اور دلائل کو ہی لیا کرتے تھے، اپنے آپ سے کھیل تماشہ نہیں بناتے تھے، یعنی ان سے غلطی ہو جاتی، اس سے رجوع کروایا جاتا ہے اور وہ رجوع کر لیتے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو آپ دیکھیں (آپ کی توصفت بیان کی جاتی ہے یعنی)

''كان وقّافًا عند كتاب الله''

(اللہ تعالیٰ کی کتاب کے آگے بہت زیادہ رک جانے والے تھے)۔

چنانچہ جو اہل حق ہوتے ہیں ہم ان کی طرف سے ان کی سچائی اور ان کے اخلاص کو جانتے ہیں، اور ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ حق کی جانب بہت زیادہ رجوع کرنے والے ہیں اور بار بار رجوع کرنے والے ہیں، تو اس قسم کا شخص اگر غلطی بھی کر جائے تو ہمارے نزدیک وہ ماجور ہے اور ہمارے نزدیک اس کی قدر و منزلت ہے، اور اس کی یہ غلطی ہمارے نزدیک کوئی ضرر رساں نہیں۔

لیکن جو اہل اہواء ہیں تو ہر گز نہیں ان کے تعلق سے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ (آل عمران: 7)

(اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہوتا ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی، فتنہ مچانے کو، اور اس کی تاویل کے پیچھے پڑنے میں)

اسی لیے آپ دیکھیں گے اہل اہواء کو وہ کبھی رجوع نہیں کرتے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے خوارج کے تعلق سے کیا فرمایا:

"يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ثُمَّ لا يَعُودُونَ فِيهِ حَتَّى يَعُودَ السَّهْمُ إِلَى فُوقِهِ"

(دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر اپنے شکار سے آر پار ہو جاتا ہے، پھر وہ لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ تیر جہاں سے نکلا ہے وہاں واپس آ جائے)۔

[رواه البخاري، كتاب التوحيد – باب قراءة الفاجر والمنافق، وأصواتهم وتلاوتهم لا تجاوز حناجرهم، حديث رقم (7562) من حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه]

تو میرے بھائیو! آج آپ یہاں دیکھیں گے کہ جو بدعتی ہیں خواہ وہ یہ انقلابی و تحریکی قسم کے ہوں یا کسی بھی شکل والے بدعتی ہیں، وہ حق کی جانب رجوع ہی نہیں کرتے۔ آپ بیسیوں

دلائل کسی مسئلے کے تعلق سے ان کے سامنے قائم کرتے جائیں اور علماء کے اقوال پیش کرتے جائیں ان کے سامنے (اتنے ہٹ دھرم ہوں گے) وہ کبھی بھی حق کی جانب رجوع نہیں کریں گے۔ تو یہ اہل اہواء خصلت!

کیا فرشتوں کے ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی؟

سوال 15: اس قول کی صحت کہاں تک ہے کہ جو فرشتوں کا ایمان ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی، جبکہ جو انسان کا ایمان ہے اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور کبھی کبھار تو وہ ایمان اتنا ترقی پاتا ہے اتنا بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا ایمان فرشتوں کے ایمان سے بھی بڑھ جاتا ہے، کیا یہ قول صحیح ہے؟

جواب: مجھے اس کلام کی کوئی دلیل معلوم نہیں لیکن یہ بات مقرر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے زیادہ افضل ہیں، جبکہ جو نیک صالحین مومنین ہیں آخرت کے تعلق سے جو ان کا آخری نتیجہ ہے اس کے تعلق سے اختلاف ہے، اور بات یہ ہے کہ جو صالح مومنین ہیں جب وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اپنے آخری انجام کو تو پھر وہ اس صورت میں فرشتوں سے افضل ہوں گے، لیکن دنیا میں جو فرشتے ہیں وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر سے افضل ہیں۔

والحمد للہ وحدہ وصلواتہ علی محمد و آلہ وسلم تسلیما